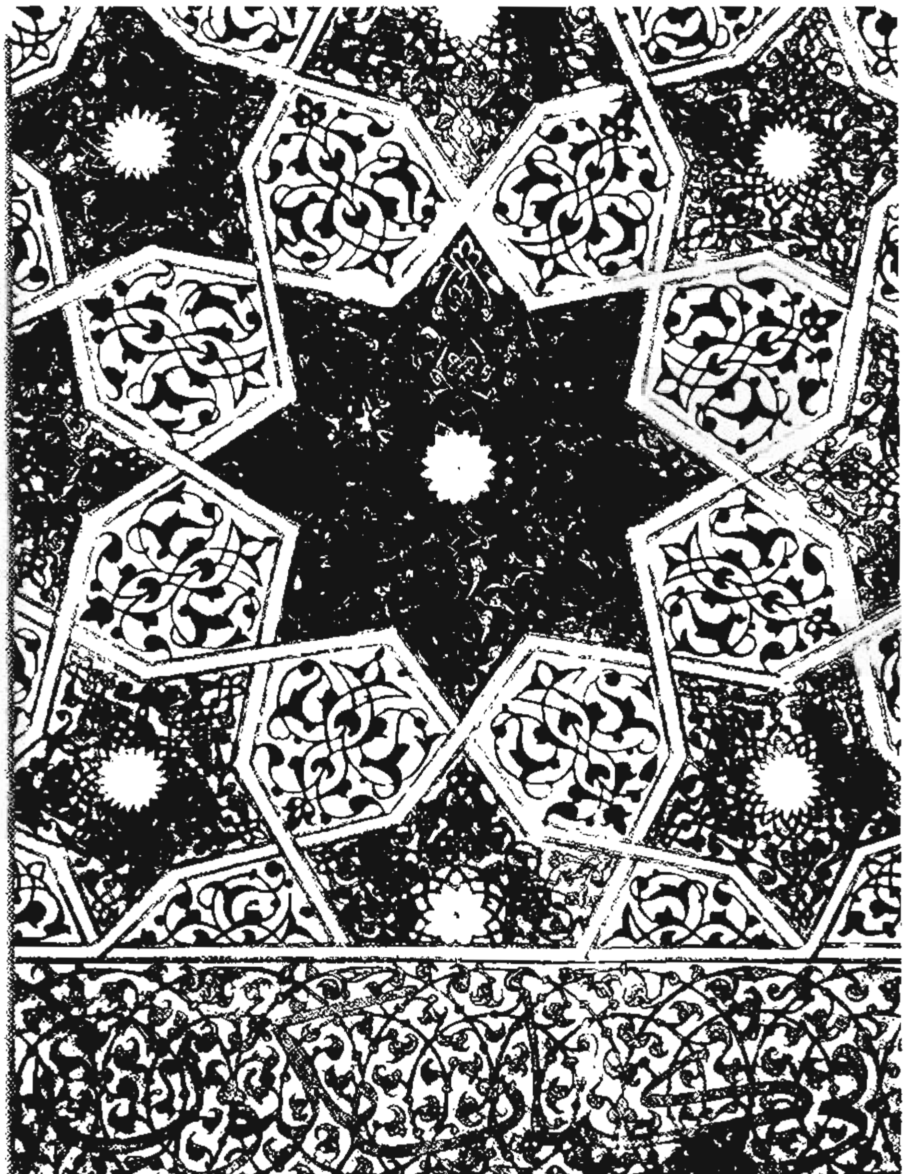
ماہنامہ ترجمان القرآن

مُدیر

خورشید احمد





اسلام آباد سے متصل مرگلہ کے دامن میں ایک نیا دلپذیر شہر

منظرِ کوہسار

ترقیاتی کام جاری ہیں

فیروزپور روڈ پر خوجگی مسد سے ۲ کلو میٹر ایل ڈی اے سے منظور شدہ

شاداب کالونی

خوشخبری

ہاؤسنگ اینڈ فزیکل پلاننگ حکومتِ پنجاب اور ڈسٹرکٹ کونسل راولپنڈی سے منظور شدہ سڑکیں سیوریج، بجلی، پانی، سکول، کمیونٹی سنٹر، قبرستان مسجد اور ہسپتال، خوبصورت جھیل

کنال 600 مربع گز

کشادہ سڑکیں، خوبصورت پارکیں، مسجد، ڈسپنسری، سکول، مارکیٹیں، ٹیلیفون اور سوئی گیس کی سہولت موجود، سکول کالج اور بڑے ہسپتال قریب ترین۔ فیصد ترقیاتی کام مکمل ہو چکے ہیں۔

کنال 500 مربع گز

قیمت 35 ہزار روپے فی مرلہ بمعہ ترقیاتی اخراجات

30 جولائی سے پہلے بکنگ کرانے پر درج ذیل رعایت

10 مرلہ پلاٹ پر 30 ہزار روپے کی رعایت

20 مرلہ پلاٹ پر ایک لاکھ روپے کی عظیم رعایت باقی رقم 3 سال کی 12 سہ ماہی اقساط میں

پانچ ہزار روپے فی مرلہ کا ڈرافٹ بھیج کر بکنگ کرائیں

آب پارہ ملتان روڈ لاہور	گلشن احباب فیز I ملتان روڈ لاہور	گلشن احباب فیز II لاہور	شاداب کالونی فیروزپور روڈ لاہور	منظرِ کوہسار اسلام آباد / راولپنڈی	احباب ایگرو فارم زون IV اسلام آباد	احباب ولاز مری	ہل ویو اپارٹمنٹ مری

منظرِ کوہسار کے سیکٹر نمبر I کی کمرشل مارکیٹ میں بکنگ کا اعلان ہو گیا ہے، فوری رابطہ کیجیے

تحریکِ اسلامی سے وابستہ افراد کا با اعتماد ادارہ

گلشن احباب فیز II میں کمرشل پلاٹوں کی بکنگ جاری ہے۔

آٹھ رہائشی منصوبوں کی شاندار کامیابی کی حامل اور آپ کے کامل اعتماد کی مظہر

احباب ہاؤسنگ سوسائٹی پرائیویٹ لمیٹڈ

بٹ ہاؤس 1 اے فیض روڈ اولڈ مسلم ٹاؤن لاہور فون 5865371 5869549 فیکس 5837016

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مدیر: خورشید احمد
نائب مدیر: مسلم سجاد

جلد ۱۲۴ جولائی ۱۹۹۷ء ربیع الاول ۱۴۱۸ عدد ۷

ترتیب

ادارتی امور

منصورہ، ملتان روڈ، لاہور ۵۴۵۷۰
فون: ۷۸۴۳۶۰۵
فیکس: ۷۸۴۲۱۶۴

انتظامی امور

۵۔ اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور
فون: ۷۵۸۷۹۱ - ۷۵۸۵۵۹۰

☆

قیمت فی شمارہ ۱۵ روپے
زر سالانہ ۱۵۰ روپے

بھارت۔/۳۰۰
بنگلہ دیش، ایران۔/۳۵۰
مشرق وسطیٰ، یورپ،
مشرق بعید، افریقہ۔/۶۵۰
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا۔/۹۰۰

بنک ڈرافٹ

بنام ماہنامہ ترجمان القرآن ارسال فرمائیں

۶۰ سال پہلے

رسول مقبولؐ ، تالیف: مولانا عتیق احمد صاحب صدیقی، مدیر قاسم العلوم۔ صفحات: ۱۴۰۔ قیمت: ۸/-
ملنے کا پتا: مجلس دار التالیف، دیوبند۔

یہ کتاب بچوں کی تعلیم کے لیے ہے۔ سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کو اسباق کی صورت میں بیان کیا گیا ہے اور ہر سبق کے آخر میں اس کا خلاصہ دے کر مشقی سوالات لکھے گئے ہیں۔ زبان سہل اور عام فہم ہے مگر کہیں کہیں پایہ ادب سے گری ہوئی ہے، مثلاً متعدد مقامات پر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے صیغہ واحد استعمال کیا گیا ہے ("خدیجہ بہت خوش ہوئی"۔ "اس کے دل میں آپ کی قدر و منزلت قائم ہو گئی" وغیرہ) یہ انداز بیان ادب کے خلاف ہے اور خصوصاً بچوں کو تو اس سے محفوظ رکھنا ضروری ہے۔

کتاب میں اور بھی چند مقامات پر اصلاح کی ضرورت محسوس ہوئی، مثلاً پہلے ہی سبق میں پیغمبر کی ضرورت جس طریق استدلال سے سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے، وہ بہت ناقص ہے۔ اس سے ایک بچہ اس غلط فہمی میں پڑ سکتا ہے کہ ہر زمانے میں ایک نبی کا آنا ضروری ہے اور باب نبوت کو ہمیشہ کھلا رہنا چاہیے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے متعلق لکھا ہے کہ وہ طوفان نوح سے ۳۹۱۴ برس بعد اور پیدائش آدم سے ۶۱۵۵ برس بعد ہوئی۔ اول تو اس تفصیل کی ضرورت ہی نہ تھی۔ دوسرے، یہ تقویم سراسر یہودی روایات پر مبنی ہے جس کا کوئی ثبوت نہ اسلامی روایات میں ملتا ہے اور نہ تاریخی شواہد میں۔ ایسی ظنی اور غیر معتبر چیزوں کو نصاب درس میں بیان کرنے سے کیا فائدہ متصور ہے؟ بچے سمجھتے ہیں کہ یہ اسلامی روایات ہیں۔ پھر بڑے ہو کر جب وہ تاریخ کی تعلیم حاصل کرتے ہیں تو ان کے دلوں میں اسلام کی طرف سے شکوک پیدا ہونے لگتے ہیں۔

سفر شام کے سلسلے میں بحیرا راہب کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ یہ روایت متعدد حیثیات سے ناقابل اعتبار ہے۔ اور دشمنان اسلام نے اس سے ناجائز فائدہ اٹھا کر نبوت محمدیؐ پر بہت سے شکوک وارد کیے ہیں۔ کیا ضرورت ہے کہ اس قسم کی کمزور روایتیں بچوں کے سامنے بیان کی جائیں اور ان کے اندر دشمنوں کے اعتراضات سے متاثر ہونے کی استعداد پہلے ہی سے پیدا کر دی جائے۔

(ترجمان القرآن: مطبوعات، جلد ۱۰، عدد ۵، جمادی الاول ۱۳۵۶ھ، جولائی ۱۹۳۷ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

سنت کا تاریخی کردار

بہ مصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

خورشید احمد

ملت اسلامیہ کو تاریخ اقوام میں جو منفرد حیثیت حاصل ہے وہ جاہ و اقتدار، دولت و ثروت، ایجاد و اکتشاف، قوت و سطوت یا نسل و نسب کی بنیاد پر نہیں، اس کی نسبت ایک اور صرف ایک ہے --- یعنی عقیدہ اور دین کی بنیاد پر وجود میں آنے والی ایک صاحب دعوت قوم۔ ع

خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ

اس امت کی بنیاد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے، یہی اس کی اساس ہے اور یہی اس کی شان امتیاز۔ اسے وجود بخشنے والی اور اسے قائم و دائم رکھنے والی قوت ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت، آپؐ کی لائی ہوئی ہدایت، آپؐ کی روشن سنت اور آپؐ کے طریقے پر زندہ رہنے کی خواہش اور کوشش ہے۔ یہی اس کی طاقت کا اصل سرچشمہ، اس کا حقیقی سرمایہ حیات اور اس کی بقا اور ترقی کا نسخہ ہے۔ ؎

نہ افغانیم و نے ترک و تتاریم
چمن زادیم و از یک شاخساریم
تمیزِ رنگ و بو برَ ما حرام است
کہ ما پروردۂ یک نَو بہاریم

اس امت کی زندگی اور اس کی پوری تاریخ میں ذات رسالت مآب کو اصل مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ آپؐ ہی کی شہادت پر قرآن کو اللہ کا کلام اور آپؐ کو مالک السموات والارض کا آخری نبیؐ مانا اور اسی

ایمان اور عقیدے پر ایک امت کا وجود قائم ہوا، جس کا مقصد وجود اسی مشن کی خدمت قرار پایا، جو آپؐ کی زندگی کا مقصد اور مشن تھا۔ اس پہلو سے اگر غور کیا جائے تو نبی اکرمؐ کی ذات اور آپؐ کا نمونہ اور سنت وہ محور ہے جس پر یہ ملت قائم ہے۔ قرآن پاک اور آپؐ کی سنت دراصل ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں جیسا کہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ آپؐ کا سراپا قرآن ہی کا عکاس تھا (کان خلقہ القرآن)۔ اور خود اللہ تعالیٰ نے گواہی دی ہے کہ آپؐ جو کچھ فرماتے تھے وہ وحی الٰہی کے نور سے منور ہوتا تھا، وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (النجم ۵۳:۳-۴)۔ اور جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء ۴:۸۰)۔ آپؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو دائمی ہدایات دیں ان میں سرفہرست یہی تھی کہ میں تمھارے لیے دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں: کتاب اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی سنت، اگر ان سے مربوط رہو گے تو کامیاب ہو گے۔ یہی وہ سنت ہے جس نے دور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے آج تک ملت کے شیرازے کو مجتمع رکھا ہے، اس کے لیے مرکز و محور کا کام کیا ہے، یہ وہ نشان راہ ہے جسے دیکھ کر اہل حق نے خود راستی اختیار کی اور راہ راست کی طرف اللہ کے بندوں کو بلایا۔ یہی وجہ ہے کہ سارے تنوع، حتیٰ کہ انحراف و بدعت کے باوجود یہ سنت ہی ہے جس نے ملت کی وحدت اور یک رنگی کو قائم رکھا ہے۔ نیز یہی وہ خدائی نظام ہے جس کے ذریعے نبی آخر الزمانؐ کا دین قیامت تک زندہ و پایندہ رہے گا۔ اس کی تعلیم خود حضورؐ نے علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین کے ارشاد میں دی اور یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف خود قرآن سبیل المومنین کے بلیغ اشارے کے ذریعے متوجہ کرتا ہے۔ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ (النساء ۴:۱۱۵) جو شخص رسول کی مخالفت پر کمربستہ ہو در آں حالے کہ اس پر راہ راست واضح ہو چکی اور اہل ایمان کی روش کے سوا کسی اور روش پر چلے تو اس کو ہم اسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اسے جہنم میں جھونک دیں گے۔

اسلام کسی فلسفیانہ تصور یا مابعد الطبیعیاتی نظریے کا نام نہیں۔ یہ زندگی گزارنے کا وہ سادا اور سیدھا طریقہ ہے جو دنیا کی زندگی کو خیر و صلاح سے بھر دیتا ہے اور آخرت میں انسان کی کامیابی کا ضامن ہے۔ فطری طور پر ایسے دین کے لیے جہاں یہ ضروری تھا کہ حقیقت نفس الامری کا بے لاگ انداز میں اور ہر شک و شبہ سے بالا ہو کر اعلان و اظہار کرے، وہیں یہ بھی ضروری تھا کہ عقائد، عبادات اور معاملات، نیز انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر اہم پہلو کے بارے میں واضح رہنمائی دے تاکہ بندے کا تعلق اپنے رب سے، کائنات اور اس کے وسائل سے اور دوسرے تمام انسانوں اور سماجی اداروں سے صحیح خطوط پر استوار ہو سکے۔ جہاں

قرآن پاک میں اس نظام زندگی کے تمام ضروری خدوخال واضح کر دیے گئے ہیں وہیں رسول پاکؐ کی زندگی اور آپؐ کے نمونے کی صورت میں اسلامی زندگی کی مکمل تصویر کشی کر دی گئی ہے تاکہ انسان حق کی اس سیدھی راہ پر کسی تکلیف اور تنگی کے بغیر گامزن ہو سکے اور انسانیت کے لیے حیات طیبہ ایک قابل حصول منزل بن سکے۔ سنت کا اصل کارنامہ ہی یہ ہے کہ اول دن سے اس کے ذریعے اسلامی زندگی کی یہ حنابندی انجام پائی ہے۔ حضورؐ سے تعلق محض ایک خبر دینے والے اور ہدایت پہنچانے والے کا سا نہیں بلکہ ہادی اور رہبر' قائد اور مطاع اور محبوب اور نمونے کا ہے جن سے ایک طرف گہری محبت و عقیدت ہو تو دوسری طرف ان کی مکمل اطاعت اور اتباع۔ حضورؐ پر ایمان محض ایک نظری تعلق نہیں بلکہ یہ ایک ایسا گہرا اور جاندار روحانی تعلق ہے جس سے آپؐ ایک مسلمان کو اپنی جان و مال اور اپنے ماں باپ اور دنیا و مافیہا سے بھی زیادہ عزیز اور محبوب ہو جاتے ہیں اور آپؐ کے ہر قول کی تصدیق اور آپؐ کے ہر عمل اور اشارے کی تعمیل اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش بن جاتی ہے۔

در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰ است
آبروئے ما ز نامِ مصطفیٰ است

ایک مسلمان کا دل' رسولؐ اللہ کی قیام گاہ ہے۔ حضورؐ ہی کا اسم گرامی ہمارے لیے عزت و آبرو کا سرمایہ ہے۔

اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آ جاتی ہے کہ روز اول سے آج تک اور ان شا اللہ ابد تک اس ملت کی شیرازہ بندی کرنے والی قوت یہی سنت رسولؐ ہے۔ مکہ اور مدینہ میں جو شمع روشن ہوئی تھی' اسی کی روشنی سے ملت کی ساری کائنات منور ہے۔ خواہ آپ دنیائے تہذیب کا افقی جائزہ لیں یا تاریخ انسانی پر عمودی نظر ڈالیں' صاف نظر آتا ہے کہ مراکش سے میلبورن تک' نیل کے ساحل سے خاک کاشغر تک' ٹوکیو سے واشنگٹن اور مانٹریال تک' مدینہ سے سرائیو تک ---- مشرق' مغرب' شمال' جنوب' جدھر بھی آپ دیکھیں یہ سنت رسولؐ ہے جس نے رنگ و بو' مال و منال' بود و باش' علم و اکتساب کے سارے اختلافات کے باوجود حضورؐ کے نام لیواؤں میں وحدت و یک رنگی پیدا کر رکھی ہے۔ مہد سے لحد تک' شرب و طعام کے آداب سے معاشرت اور مدنیت کے اسلوب تک' حلال و حرام اور مطلوب و مکروہ کی اقدار' دوستی اور دشمنی کے معیارات تک زندگی کے ہر معاملے میں' خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی' فرق پیدا کرنے والی چیزیں مقامی اور وقتی ہیں اور وحدت اور یک رنگی پیدا کرنے والی چیز سنت رسولؐ اللہ۔ اسی طرح اگر آپ تاریخی تسلسل پر نگاہ ڈالیں تو سارے نشیب و فراز' عروج و زوال' سیاسی اور تہذیبی غلبے اور محکومی کے باوجود جس چیز نے اس ملت کو باقی رکھا' اس کی اصل کو محفوظ رکھا' اسے بار بار تجدید و احیا کی نعمتوں سے مالا مال کیا اور اس کی زندگی اور تہذیب و ثقافت میں تسلسل پیدا کیا' وہ سنت رسولؐ ہے۔ گویا فرد کی زندگی ہو یا خاندان کی'

معاشرت ہو یا معیشت، سیاست ہو یا تہذیب و تمدن، جغرافیائی اعتبار سے دنیا کا کوئی بھی خطہ ہو اور تاریخی اعتبار سے کوئی بھی زمانہ اور دور، مسلمان مرد اور عورت، مسلمان معاشرے اور مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کی صورت گری اور شیرازہ بندی اسی سنت نبویؐ کا کارنامہ ہے جس کی جڑیں قرآن پاک میں ہیں اور جس کا تسلسل محور ملت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ سے نسبت اور اس کی پیروی میں ہے۔ بقول جگر۔

ازل ہو یا ابد دونوں اسیر زلف حضرتؐ ہیں
جدھر نظریں اٹھاؤ گے یہی اک سلسلہ ہو گا

سنت اور ذات رسالت مآبؐ کی اس مرکزی حیثیت کو اقبال نے رموز بے خودی میں بڑی خوبصورتی اور بصیرت سے پیش کیا ہے۔

از رسالت در جہاں تکوینِ ما — از رسالت دینِ ما آئینِ ما
از رسالت صد ہزارِ ما یک است — جزوِ ما از جزوِ ما لاینفک است

ما ز حکمِ نسبتِ او ملتیم — اہلِ عالم را پیامِ رحمتیم
قلبِ مومن را کتابش قوت است — حکمتش حَبلُ الوَرید ملت است
زندگی قوم از دمِ او یافت است — ایں سحر از آفتابش تافت است
ایں گہر از بحرِ بے پایانِ اوست — ما کہ یکجا نیم از احسانِ اوست
قوم را سرمایۂ قوت ازو — حفظِ سرِّ وحدتِ ملت ازو

ہمارا وجود اس دنیا میں رسالت سے ہے۔ رسالت ہی سے ہمیں دین ملا۔ رسالت ہی سے شریعت ملی ○ رسالت ہی کی برکت ہے کہ ہم لاکھوں ہونے کے باوجود ایک ہیں، ہمارا ایک جز دوسرے جز سے اس طرح جڑا ہوا ہے کہ اسے کبھی الگ نہیں کیا جا سکتا ○ ہم رسول اکرمؐ کی ذات گرامی کے ساتھ نسبت کی بنا پر ملت و قوم بن گئے اور دنیا والوں کے لیے ہم رحمت کا پیغام ہیں ○ رسول اکرمؐ جو کتاب (قرآن مجید) لائے وہ مومن کے دل کے لیے قوت و استحکام کا سامان ہے اور جو حکیمانہ ارشادات حضور اکرمؐ کی زبان مبارک پر جاری ہوئے، انھیں ملت کی زندگی میں شہ رگ کی حیثیت حاصل ہے ○ قوم نے صرف رسول اکرمؐ کے دم سے زندگی پائی۔ یہ صبح اسی آفتاب کی روشنی سے جلوہ ریز ہوئی ○ یہ وحدت کا راز ایک موتی ہے جو رسول اکرمؐ کے بے پایاں سمندر سے نکلا۔ ہم یک جان ہیں تو یہ حضور اکرمؐ ہی کا احسان ہے ○ قوم کو قوت ملتی ہے تو حضور اکرمؐ ہی سے ملتی ہے اور ملت کی وحدت کا راز بھی اسی پاک ذاتؐ کی بدولت محفوظ ہے۔

سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تاریخی کردار دعوت دیتا ہے کہ ایک لمحہ کے لیے اس امر پر غور کیا

جائے کہ انسانوں کی ہدایت کے لیے جو نظام' اللہ رب العزت نے قائم فرمایا ہے وہ کیا ہے اور اس کے آئینے میں مسلمانوں کے عروج و زوال اور تجدید و احیا کے نقوش پر تدبر کی نگاہ ڈالی جائے۔ بلاشبہ اس کی اصل بنیاد اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت قرآن پاک کی حفاظت اور اس کا بحیثیت سرچشمہ ہدایت موجود رہتا ہے۔ تہذیبوں کے تقابلی مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ تاریخ کے مختلف ادوار میں مختلف مذاہب اور نظریے' منجمد اور عوامل کے' قوموں اور تہذیبوں کے عروج و ترقی کا ذریعہ بنے ہیں' لیکن تہذیبوں کے زوال اور انتشار کے بعد ایک ہی مذہب' اور ایک ہی نظریے کا تجدید و احیا کے لیے بار بار بنیاد بنا امت مسلمہ کے امتیازی پہلوؤں میں سے ایک ہے۔ اور یہ قرآن کے آخری کتاب اور حضورؐ کے آخری نبیؐ ہونے کا فطری تقاضا ہے۔ کتاب ہدایت کی حفاظت کے ساتھ دوسری اہم چیز حضورؐ کا نمونہ ہے جو تاریخی تواتر کے ساتھ محفوظ اور کارفرما قوت کی حیثیت سے ہر دور میں اور ہر مقام پر اس ملت کی تاریخ کو متاثر کرتا رہا ہے۔ اور ہدایت کا یہ صحیفہ اور رہنمائی کا یہ نمونہ بھی ایسا جامع اور ہمہ گیر ہے کہ تہذیب و تمدن کے ہر دور میں زندگی کے ہر پہلو اور ہر مسئلے کے بارے میں اس سے روشنی اور رہنمائی حاصل کی جاتی رہی ہے۔ اس میں ثبات اور تغیر کے تقاضوں کو اس طرح سمو دیا گیا ہے کہ یہ کبھی پرانا نہیں ہوتا اور نہ کبھی جدید تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر رہا۔ مرور ایام کی کوئی کروٹ اسے غیر متعلق اور از کار رفتہ نہیں بنا سکتی۔ یہ تو صبح نو کی طرح ہر دم تازہ اور نور فشاں رہتا ہے۔ اگر ایسا ہے' اور بلاشبہ ایسا ہی ہے' تو پھر ملت پر مختلف ادوار میں انتشار و انحطاط کے سایے کیوں پڑے اور محکومی اور مظلومی کے دن اسے کیوں دیکھنا پڑے؟ یہ بڑا اہم اور بنیادی سوال ہے اور ہمیں دعوت دیتا ہے کہ اس امر پر غور کریں کہ حضور پاکؐ کی اصل سنت کیا ہے' اور اس کا بے لاگ جائزہ لیں کہ امت نے اس سنت کے ساتھ کب کیا معاملہ کیا ہے۔ اس طرح ہمیں اپنی کمزوریوں اور ناکامیوں کے اسباب معلوم کرنے اور تجدید و احیا کے خطوط استوار کرنے کے لیے ضروری رہنمائی مل سکے گی۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول' عمل اور تقریر (جو عمل آپؐ کے سامنے ہوا اور آپؐ نے اسے ناپسند نہ فرمایا) آپ کی سنت ہے اور قرآن کے احکام و ہدایات کی عملی تصویر۔ ہر سنت (خواہ اس کا تعلق بنیادی امور سے ہو یا جزوی سے) کی حفاظت' ان کی تعلیم و تذکیر' ان کے مطابق انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تشکیل بھی ہر مسلمان مرد اور عورت اور بحیثیت مجموعی امت مسلمہ کی زندگی کا مشن اور ہدف ہے۔ اس سلسلے میں ہماری تاریخ میں مسلمانوں نے بڑی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں' بلکہ سچی بات یہ ہے کہ ماضی میں جو ترقی بھی حاصل ہوئی ہے' اور جو خدمات بھی مسلمانوں نے دنیائے علم و تہذیب کی انجام دی ہیں' جو عزت ان کو تاریخ عالم میں حاصل ہوئی ہے اور ہر پستی کے بعد بلندی کی طرف جو مراجعت ان کے نصیب میں آئی ہے' وہ سنت کے باب میں انھی مساعی کا نتیجہ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ

شیطانی قوتیں اس امت اور انسانیت کو اس سرچشمہ ہدایت سے محروم کرنے کے لیے ہمیشہ کوشاں اور سرگرداں رہی ہیں اور ان کا وار ہمیشہ خالی نہیں گیا!

اس سلسلے میں حملے کئی سمتوں سے ہوئے ہیں --- کچھ کھلے کھلے مخالفانہ اور جارحانہ اور کچھ بڑے خوبصورت اور دلفریب!

قرآن کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنا اور سنت رسولؐ کی حجیت اور تاریخیت پر زبانِ طعن دراز کرنا تو دشمنوں کا کھلا شیوہ رہا ہے' ماضی میں اور آج بھی۔ لیکن اس کھلی جارحیت نے جتنا نقصان پہنچایا شاید اس سے کچھ کم نقصان ان حسین' معصومانہ' دوستانہ' عاجلانہ' جاہلانہ اور "عارفانہ" چالوں سے نہیں پہنچا جو اس تاریخ کا ایک قابل ذکر حصہ ہیں۔ اگر جہالت اور غفلت کے مضر اثرات سے صرف نظر کر بھی لیا جائے گو یہ بھی بگاڑ اور تباہی کے اہم عاملین میں سے ہیں' تب بھی جن تصورات نے سنت کے تاریخی کردار کو مجروح اور غیر موثر کرنے میں اور انحراف' بدعت اور بگاڑ کو فروغ دینے میں خاصا اہم رول ادا کیا اس میں غلو' عدم اعتدال اور سب سے بڑھ کر اس مشن اور جدوجہد سے اغماض ہے جو حضورؐ کی بعثت کا اصل مقصد اور آپ کی سنت کا اصل ہدف اور منزل ہے۔

کچھ لوگ صرف اس پر قانع ہو گئے کہ سنت اور سیرت کا تعلق بس حصول ثواب ہے (بلاشبہ حضورؐ سے قرب کی ہر کوشش خیر اور پسندیدہ ہے) لیکن اس کا کوئی تعلق ان کی اپنی زندگیوں اور حق و باطل کی کشمکش میں ان کے کردار سے نہیں۔ کچھ نے اس کو بھی ایک دینی خدمت سمجھا کہ انسانیت کے اس عظیم ترین نجات دہندہ کو بس ایک مافوق الفطرت ہستی میں بدل دیں اور رزم گاہ حیات سے توجہ ہٹا کر کونین کی رنگین خیالیوں سے قلب و نظر کو مسحور کر ڈالیں۔ ایک بڑی تعداد نے بڑے خلوص کے ساتھ بس ساری توجہ کو اپنے پسندیدہ چند انفرادی افعال و اعمال تک محدود کر لیا اور اس سنت کبریٰ کو یکسر نظرانداز کر دیا (افسوس کہ کچھ نے تو اسے بدعت ہی سمجھ لیا) جس کا نمونہ آپؐ نے بحیثیت داعی حق پہلی وحی کی آمد کے وقت سے اپنے وصال کے آخری لمحے تک امت کے سامنے چھوڑا۔ کچھ ستم گر تو یہاں تک بڑھے کہ آپؐ جس تبدیلی اور جس انقلاب کے داعی تھے' اسے بھلا ہی نہیں دیا گیا بلکہ سو طرح سے اسے غیر ضروری اور غیر مطلوب' بلکہ ایک قسم کی دنیاداری اور سیاست پسندی تک قرار دے دیا گیا اور ظلم و طاغوت کے غلبے اور استیلا سے ایک شان تقویٰ کے ساتھ سمجھوتہ سا کر لیا گیا۔ بقول اقبال۔

گرچہ برلب ہائے او نامِ خدا ست
قبلۂ او طاقتِ فرمان روا ست!

اگرچہ اس کی زبان پر تو خدا ہی کا نام ہے لیکن اس کا قبلہ (اطاعت) فرماں روا کی طاقت ہے۔

سنت و بدعت کی کشمکش کا یہ اہم ترین پہلو ہے جس پر ٹھنڈے دل سے غور و فکر کی ضرورت ہے۔ ہم

محض قانون اور فقہ کی زبان میں بات نہیں کر رہے اور ہم دین کے مخلص خادموں کی محدود اور جزوی مساعی کے عدم اعتراف یا تحقیر کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ہمیں یقین ہے کہ جس نے بھی خلوص کے ساتھ جس حد تک خدمت کی کوئی کوشش کی ہے وہ ان شاء اللہ اتنا ہی مستحق اجر ہو گا' لیکن تاریخ کے طالب علم کی حیثیت سے اس سوال کا جواب بہرحال دریافت کرنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت اور امت مسلمہ کے تاریخی کردار کے لیے جو نظام بنایا تھا اور سنت نبویؐ نے اسے جس طرح ایک تاریخی عمل میں تبدیل کیا تھا' اس میں رخنے کیسے پڑے؟ یہ امت عروج کی بلندیوں پر پہنچ کر زوال کی پستیوں کی طرف کیوں اتری؟ اللہ کی حاکمیت قائم کرنے والی یہ قوم ایک ہزار سال تک عالمی طاقت بنے رہنے کے بعد خدا کے باغیوں کے ہاتھوں مغلوب و محکوم کیوں ہوئی؟ اور پھر آج جو عالمی کشمکش برپا ہے جس میں یہ امت ایک بار پھر انسانیت کے نجات دہندہ کا کردار ادا کر سکتی ہے' اسے اس لائق کیسے بنایا جا سکتا ہے؟

ہم اہل نظر کو دعوت غور و فکر دینا چاہتے ہیں کہ ترقی کا راستہ صرف اور صرف سنت کے احیا میں ہے لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب سنت کا حقیقی اور مکمل تصور ہمارے ذہنوں میں ہو اور اس کے مطابق کام کا نقشہ اور انقلاب کا منہج تیار کیا جائے۔ عید میلاد النبیؐ کا بھی اگر کوئی پیغام ہے تو وہ یہی ہے کہ جہاں مسلمان ایک ایک سنت کی پیروی کی فکر کریں وہاں داعی اعظمؐ کی اس سنت کبریٰ کے اتباع کی فکر بھی کریں اور انھی مقاصد کے پیش نظر اور ان طریقہ ہائے کار (methodologies) سے استفادہ کرتے ہوئے کریں جن کا نمونہ آپؐ نے پیش فرمایا تھا۔ یہ قوم درختوں کے دیکھنے میں اتنی منہمک ہو گئی کہ جنگل اس کی آنکھوں سے فراموش ہو گیا۔ ہم چند پھول اور پتوں سے ایسے مسحور ہوئے کہ پورے گلشن کو بھول گئے۔ ہماری نگاہوں سے وہ نقشہ اور pattern ہی اوجھل ہو گیا جس کے اجزا یہ سارے نگینے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انفرادی خیر کے باوجود وہ عمومی تبدیلی نہیں آ رہی اور وہ نظام زندگی قائم و غالب نہیں ہو رہا جس کے برپا کرنے کے لیے یہ سارا نظام ہدایت جاری و ساری کیا گیا تھا اور جسے کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے قبول کیے جانے پر اس طرح رونما ہونا چاہیے جس طرح بیج سے درخت اور درخت سے پھول پھل رونما ہوتے ہیں۔

ہے طواف و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا
کند ہو کر رہ گئی مومن کی تیغ بے نیام

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی حق کی شہادت کی زندگی تھی اور آپؐ کی یہی وہ سنت کبریٰ ہے جس کے اتباع کی ذمہ داری امت مسلمہ پر ہے۔ وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۚ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا

لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ (الحج ۲۲:۷۸) "اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔ اس نے تمھیں اپنے کام کے لیے چن لیا ہے اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ قائم ہو جاؤ اپنے باپ ابراہیمؑ کی ملت پر۔ اللہ نے پہلے بھی تمھارا نام "مسلم" رکھا تھا اور اس (قرآن) میں بھی (تمھارا یہی نام ہے) تاکہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ"۔

سیرت پاک کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ پہلے دن سے حضور اکرمؐ کے سامنے دین کی شہادت، زندگی کے سارے نظام کو اللہ کی حاکمیت کے تحت لانے اور اس کی تنظیم نو کرنے اور حق کو غالب اور فرماں روا قوت بنانے کا ہدف تھا اور مقصد کا یہ شعور، منزل کا یہ احساس اور مستقبل کا یہ وژن (vision) کسی دور میں بھی اور کسی لمحہ حضورؐ کی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوا۔ اللہ کی بندگی اور اللہ کے بندوں کو غیراللہ کی غلامی سے نجات دلا کر انھیں ایک تاریخ ساز قوت اور بالاتر طاقت بنانا آپ کے پیش نظر تھا۔ انبیائے کرام کی بعثت کا یہ نصب العین ہر لحظہ آپ کے سامنے تھا کہ لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۖ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (الحدید ۵۷:۲۵) "ہم نے اپنے رسولوں کو روشن نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں اور لوہا اتارا جس میں بڑا زور ہے اور لوگوں کے لیے منافع ہیں"۔

خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد اور ہدف قرآن نے صاف الفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے: هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (الصف ۶۱:۹) "وہی تو ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے پورے کے پورے دین پر غالب کر دے، خواہ مشرکین کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو"۔

نزول وحی اور منصب نبوت پر سرفرازی کے بعد جب آپؐ کو دعوت عام دینے کا اذن ہوا تو آپؐ نے خاندان بنی ہاشم کو دوبار دعوت پر بلایا اور ان کے سامنے اپنی بات پیش کی اور فرمایا کہ یہ پیغام دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی کا ضامن ہے۔ اسی بات کو ذرا اور کھول کر آپؐ نے بالکل ابتدائی مراحل ہی میں فرمایا: كلمة واحدة تعطونيها تملكون بها العرب وتدين لكم بها العجم (سیرت ابن ہشام) بس وہ ایک کلمہ ہے جسے اگر مجھ سے قبول کر لو گے تو اس کے ذریعے تم سارے عرب کو زیر نگیں کر لو گے اور سارا عجم تمھارے پیچھے ہو گا۔ اس بات کو آپؐ نے قریش کے ایک وفد کے سامنے اس طرح بیان فرمایا: فان تقبلوا منی ما جئتکم به فهو حظکم فی الدنيا وفی الاخرة (سیرت ابن ہشام) تم اگر میری دعوت قبول کر لو جسے میں پیش کر رہا ہوں تو اس میں تمھاری دنیا اور آخرت دونوں کی بہتری ہے۔

دین حق کے غلبے اور کامیابی اور عرب و عجم پر اس کلمے کی حکمرانی کا وژن داعی اعظمؐ کی نگاہوں میں اتنا

واضح تھا کہ عین مکی دور کے اس زمانے میں جب اہل حق مظلوم تھے اور تشدد اور تعذیب کا نشانہ بنائے جا رہے تھے، ایک صحابی حضرت خبابؓ نے کہا کہ یارسولؐ اللہ، اللہ کی مدد کب آئے گی؟ تو آپؐ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور آپؐ نے فرمایا کہ "اے خبابؓ! جانتے ہو تم سے پہلے اہل حق پر کیسے کیسے مظالم ہوئے ہیں۔ ان کو لوہے کے آرے سے چیر دیا گیا اور لوہے کی کنگھیوں سے ان کے گوشت کو ہڈیوں سے جدا کر دیا گیا مگر وہ راہ حق سے نہ ہٹے"۔ پھر حضورؐ نے ان کو اطمینان دلاتے ہوئے یہ تاریخی جملے ارشاد فرمائے: "خدا کی قسم، وہ وقت ضرور آئے گا کہ ایک سوار صنعا سے حضرموت تک سفر کرے گا اور اسے اللہ کے سوا اور کسی کا ڈر نہ ہو گا"۔ یعنی اسلام کا نظام غالب اور حکمران ہو گا۔ انصاف کا دور دورہ ہو گا، ہر کسی کو امن و سلامتی کی نعمت حاصل ہو گی اور اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ کی کیفیت ہو گی۔ اس دور ظلم و ظلمت میں ایک اور موقعے پر آپؐ نے فرمایا: "عنقریب وہ زمانہ آئے گا جب مکہ کو قافلہ بے نگہبان جایا کرے گا"۔ (بخاری، سیرت النبیؐ شبلی و ندوی، جلد دوم)۔ آپؐ کے چچا ابو طالب نے جب آپؐ کو ایک بار سمجھاتے ہوئے کہا "جان پدر! اس کام سے ہاتھ اٹھا لو، تو آپؐ نے فرمایا: محترم! میری تنہائی کا خیال نہ کیجیے۔ حق زیادہ دیر تک تنہا نہیں رہے گا۔ کُل عرب و عجم ایک دن حق کے ساتھ ہو گا۔ (سیرت ابن ہشام)

حضرت عدیؓ بن حاتم کا بیان ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ دو شخص کہیں سفر سے آئے۔ ایک نے بھوک کی اور دوسرے نے رہزنی کی شکایت کی۔ حضورؐ نے حضرت عدیؓ کو مخاطب کر کے فرمایا: "کیوں عدی! تم نے حیرہ دیکھا ہے؟ (حیرہ ایک مقام کا نام ہے)۔ عدی نے کہا: "دیکھا تو نہیں ہے لیکن اس کے بارے میں جانتا ضرور ہوں"۔ آپؐ نے فرمایا: "اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ حیرہ سے ایک ہودج نشین عورت چل کر خانہ کعبہ کا طواف کرے گی اور اس کو خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہو گا۔ اور اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ کسریٰ کا خزانہ فتح کر لیا گیا ہے اور اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ ایک شخص مٹھی بھر سونا چاندی لے کر نکلے گا کہ کسی کو خیرات کر دے لیکن (دولت و کثرت کا یہ عالم ہو گا کہ) کوئی قبول کرنے والا نہ ملے گا"۔ عدیؓ کہتے ہیں کہ میرے دل میں یہ بات کھٹکتی تھی کہ آخر قبیلہ طے کے وہ ڈاکو کیا ہو جائیں گے جنھوں نے پورے ملک میں آگ لگا رکھی ہے، لیکن پھر خود عدیؓ کا بیان ہے کہ انھوں نے بہ چشم سر دیکھا کہ ایک پردہ نشین عورت تن تنہا چل کر آتی ہے اور کعبہ کا طواف کر کے واپس چلی جاتی ہے اور اس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہیں ہوتا۔ نیز جن لوگوں نے کسریٰ کا خزانہ فتح کیا ان میں خود عدیؓ بھی شریک تھے۔

حضرت عثمانؓ بن طلحہ کہتے ہیں کہ ایام جاہلیت میں کعبہ کا دروازہ ہفتہ میں دو دن یعنی پیر اور جمعرات کو کھولا کرتے تھے۔ ایک دن نبی کریمؐ اپنے چند اصحاب کے ساتھ کعبہ میں داخل ہونے کی نیت سے تشریف

لائے تو کعبہ کے کلید بردار حضرت عثمانؓ بن طلحہ نے درشتی کا مظاہرہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل ضبط اور حلم سے کام لیتے ہوئے فرمایا اے عثمانؓ! ایک دن تو اس کعبہ کی چابی میرے ہاتھ میں دیکھے گا اور میں جسے چاہوں گا اس کو دے دوں گا"۔ عثمانؓ نے کہا: اس دن قریش مرجائیں گے اور ذلیل ہو جائیں گے کہ اس دروازے کی کنجی تمھارے ہاتھ میں چلی جائے گی؟" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں، اس دن قریش کو اور زیادہ عزت حاصل ہو گی"۔ پھر فتح مکہ کے بعد چشم فلک نے یہ منظر دیکھا کہ کعبے کی چابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں میں آئی اور آپؐ نے کمال حلم و بردباری سے یہ چابی پھر انھی کو سونپ دی اور فرمایا: "یہ کنجی لو! یہ قیامت تک تمھارے ہی خاندان میں رہے گی۔ ظالم اور جابر کے سوا کوئی اسے تم سے نہیں چھینے گا"۔ حضرت عثمانؓ! کہتے ہیں کہ مجھے حضورؐ کے وہ الفاظ یاد تھے جو آپؐ نے مکہ میں مظلومی کے زمانے میں کہے تھے اور میں نے برملا اعلان کیا: "یقیناً جو آپؐ نے فرمایا تھا، وہی ہوا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں"۔

ایک طرف مکی دور کی سختیاں اور مجبوریاں ہیں تو دوسری طرف داعی کا عزم و بصیرت اور مشن اور منزل کا واضح شعور۔ انھی حالات میں معراج کا واقعہ ہوتا ہے جو تحریک اور اس کے مشن کی راہ میں ایک سنگ میل اور اس دعوت کے اصل مزاج اور کردار کا بہترین مظہر ہے۔ جیسا کہ اقبال نے لکھا ہے، آپؐ کا اصل منتہی محض عرفان ذات نہ تھا بلکہ رسول عربی کا اصل مشن رب کائنات سے اتنے قرب اور نور الٰہی سے بلاواسطہ فیضیاب ہونے کے بعد جو روشنی حاصل ہوئی تھی، اس سے دنیائے انسانیت کو منور کرنا تھا۔ ایک عظیم صوفی بزرگ مولانا عبدالقدوس گنگوہی کے تاریخی جملے: "اگر میں حضورؐ کی جگہ ہوتا تو ذات باری کے اتنا قریب پہنچنے کے بعد واپس نہ آتا" پر تبصرہ کرتے ہوئے اقبال نے "اسلامی الہیات کی تشکیل جدید" میں صحیح کہا ہے کہ نبیؐ کے تصور دین اور محدود مذہبیت کے تصور میں یہی فرق ہے۔ ایک اپنی ذات کے عرفان کا متلاشی ہے اور دوسرا معرفت ذات کے بعد انسانیت کی تخلیق نو اور ایک نئے انسان، نئے معاشرے اور نئی تاریخ کی تعمیر کو اپنا نصب العین بناتا ہے اور یہی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا اصلی کارنامہ ہے۔ دیکھیے خود قرآن اس پر کس طرح دلالت کرتا ہے کہ سورہ بنی اسرائیل کی جن آیات میں واقعہ اسراء بیان ہوا، وہیں دعوت نبوی اور اسلامی تحریک کا عالمی منشور پیش کیا گیا ہے کہ اللہ کا یہ فرستادہ بندہ ان بلندیوں کو چھونے کے بعد اب انسانیت کو بلندیوں کی طرف بلانے اور نئے نظام کو قائم کرنے کی جدوجہد کرے گا۔ ہجرت کا اشارہ بھی انھی آیات میں موجود ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے کی زبان پر اس وقت جو دعا جاری و ساری فرمائی ہے وہ مدنی دور کی پیش بینی اور اسلام کے لیے اقتدار اور قوت کی بشارت کی خبر دیتی ہے۔ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ

الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَھُوْقًا (بنی اسرائیل ۱۷:۸۰-۸۱) "اور دعا کرو کہ پروردگار، مجھ کو جہاں بھی تو لے جا سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنا دے اور اعلان کر دو کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا، باطل تو مٹنے ہی والا ہے"۔

ہجرت کے واقعے پر غور کریں تو صاف نظر آتا ہے کہ گو اللہ کا برگزیدہ رسولؐ اپنے مولد اور وطن کو چھوڑ کر جا رہا ہے اور دشمن اس کا پیچھا کر رہے ہیں لیکن اس کے عزم اور اس کے وژن کا حال یہ ہے کہ سراقہ بن جعشم جب تعاقب میں ناکام ہو جاتا ہے اور گھوڑے کے بار بار زمین میں دھنسنے سے اسے یقین ہو جاتا ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا تو وہی جو آپؐ کو گرفتار کرنے آیا تھا، آپؐ سے عفو و امان طلب کرتا ہے اور آپؐ نہ صرف اسے امان دیتے ہیں (جو فی الحقیقت فتح مکہ پر اس کے کام آئی) بلکہ فرماتے ہیں: "اے سراقہ! اس وقت تیری کیا شان ہو گی جب تو کسریٰ کے کنگن پہنے گا"۔ یعنی ایران کی فتح اور اس وقت کی ایک سوپر پاور پر اسلام کا غلبہ داعیؐ کو صاف نظر آ رہا ہے اور حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں وہی ہوا جس کی آپؐ نے پیش گوئی کی تھی، حتیٰ کہ کسریٰ کے کنگن سراقہ کے ہاتھوں کی زینت بنے---- صلی اللہ علیہ وسلم!

بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبیٰ ثانی میں جو عہد و پیمان ہوئے ہیں ان پر غور کیجیے۔ اللہ کا رسولؐ ایک پناہ گزین کی حیثیت سے نہیں ایک آقا اور سربراہ کی حیثیت سے مدینہ جاتا ہے اور جان نثاروں کے اس عہد کے ساتھ جاتا ہے کہ انصار مدینہ اس کی خاطر ساری دنیا کی دشمنی مول لیں گے اور ان کی تلواریں اس دین اور اس کے نبیؐ کا دفاع کریں گی۔ بیعت عقبہ اولیٰ میں جو عہد کیا جاتا ہے وہ یہ ہے: "ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، چوری نہیں کریں گے، زنا نہیں کریں گے، اپنے بچوں کو قتل نہیں کریں گے، کسی کے خلاف جانتے بوجھتے کوئی من گھڑت بہتان نہیں اٹھائیں گے اور کسی معروف معاملے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہیں کریں گے"۔ بیعت عقبہ ثانی کے موقع پر جب عہد و پیمان ہو گیا تو حضرت سعدؓ بن زرارہ نے صاف الفاظ میں اعلان کیا: "بھائیو! یہ بھی خبر ہے کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ یہ عرب و عجم اور جن و انس سے اعلان جنگ ہے"۔ سب نے کہا: "ہاں، ہم اسی پر بیعت کر رہے ہیں"۔

مدینہ میں آپ سربراہ مملکت تھے اور مدینہ کی ریاست کے دستور (جو تاریخ انسانی کا پہلا تحریری دستور ہے) کے تحت حضور اکرمؐ تمام معاملات میں صرف اہل ایمان ہی کے لیے نہیں، یہودی قبائل اور پوری آبادی کے لیے آخری اتھارٹی تھے۔ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے زمین کو سمیٹ کر مشارق و مغارب کے کونے مجھ کو دکھا دیے۔ پس جہاں تک میں نے دیکھا، وہاں تک میری امت کی حکمرانی پہنچ جائے گی"۔ خندق کی کھدائی کے موقع پر آپؐ نے کسریٰ کے شہر اور قیصر کے علاقوں پر اسلام

کی فتح کی جھلک دیکھی اور بالآخر یہ دونوں سوپر پاورز اسلام کے آگے سرنگوں ہو گئیں۔

دعوت رسالت اور غلبہ حق کے یہ سارے نقوش اسی ایک سنت کبریٰ کا حصہ ہیں اور جب تک مسلمان دین اور دنیا کی وحدت، دعوت اور جہاد کی ہم آہنگی اور تقویٰ اور اقتدار کی یک رنگی کے علم بردار رہے، وہ روشنی برابر بڑھتی رہی جو حرا سے نکل کر مدینہ اور مدینہ سے بڑھ کر چار دانگ عالم میں پھیل گئی تھی۔ کیا غضب ہے کہ آج اس سنت کبریٰ کو کچھ ارباب مذہب "سیاست" کا نام دیتے ہیں اور کار نبوت سے اس کی نسبت پر شرمسار ہیں۔ حیف۔

اسی قرآں میں ہے اب ترکِ جہاں کی تعلیم
جس نے مومن کو بنایا مہ و پرویں کا امیر

اور

خود بدلتے نہیں، قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

سنت نبویؐ میں دین و دنیا کی جس وحدت اور ایمان اور اقتدار میں جس ہم آہنگی کا نمونہ پیش کیا گیا ہے وہ دنیا پرستی اور قوت و حکمرانی کے اس ماڈل سے بالکل مختلف ہے جو ہمیں دنیا کی دوسری تہذیبوں میں نظر آتا ہے۔ یہاں اگر قوت و اقتدار قیام حق کی جدوجہد کا ایک لازمی حصہ اور مرحلہ ہیں تو اس کے ساتھ ساتھ یہ قوت اور یہ اقتدار اخلاق کی بالادستی، دعوت دین، رب کی اطاعت اور انسانوں کی خدمت کی شرائط سے مشروط ہیں۔ دنیا اور اقتدار خود مطلوب نہیں ـــــ ان کا حصول صرف دعوت رب کے ذریعے اور دعوت رب کی خاطر ہے۔ اس کا بہترین مظہر وہ مکالمہ ہے جو قریش کے سرداروں اور نبی برحقؐ کے درمیان ہوا۔ جب قریش نے دیکھا کہ لوگ حضورؐ کی دعوت کی طرف لبیک کہہ رہے ہیں تو اس سے زیادہ پہنچ ہی نہیں سکتے تھے جو انسان کی خالص دنیوی اور طبعی سطح کی معراج ہے۔ وہ سمجھوتے کی دعوت لے کر آپؐ کے پاس آئے۔ ان کی سوچ بس یہیں تک جا سکتی تھی کہ انسان ساری تگ و دو کس لیے کرتا ہے ـــــ دولت، حسن، اقتدار، انھوں نے آپؐ کو تینوں کی پیش کش کی اور یہ پیش کش دعوت کو ترک کر دینے سے مشروط تھی۔ وہ آپؐ کو دولت سے مالا مال کرنے کو تیار تھے، خوبصورت ترین خاتون آپؐ کے نکاح میں دینے کے لیے آمادہ تھے، آپؐ کو سرداری اور اقتدار پیش کر رہے تھے۔ لیکن جو قوت، دولت اور اقتدار آپؐ کے پیش نظر تھا وہ دعوت کے ذریعے اور دعوت کے لیے تھا ـــــ دعوت کو ترک کر کے محض اپنی ذات کے لیے نہیں۔ آپؐ نے صاف کہہ دیا:

"مجھ کو مال و دولت کی تمنا نہیں' شہرت اور بادشاہت میرا مقصد نہیں' میں ہوس کا بھی شکار نہیں اور نہ کوئی اور شکایت مجھے ہے--- میں تو اللہ کا رسولؐ ہوں۔ اس نے مجھے بھیجا ہے تاکہ تم کو غفلت سے چونکا دوں' برائی کا برا انجام بتا دوں اور نیکی کا نیک انجام بھی سنا دوں' اور تمھیں تمھارے رب سے ملا دوں"۔

جب ابوطالب نے کہا: "بھتیجے' یہ قوم کے مالدار اور سردار لوگ ہیں' انھیں تم سے شکایت ہے۔ نہ تم ان کے دیوتاؤں کو کچھ کہو' نہ یہ تم کو اور تمھارے خدا کو کچھ کہیں"۔ آپؐ نے فرمایا: چچا جان! جو چیز ان کے لیے بہتر ہے کیا میں اس کی طرف بلانا چھوڑ دوں؟ میں کہتا ہوں کہ یہ زبان سے ایک فقرہ کہہ دیں--- لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ--- اگر یہ راضی ہو جائیں تو پورا عرب ان کے تابع ہو گا اور ساری دنیا ان کے قدم چومے گی"۔ آپؐ نے فرمایا: "عم محترم! خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں اور کہیں کہ میں یہ کام چھوڑ دوں تو یہ ناممکن ہے۔ یا تو یہ کام پورا ہو گا' یا میری جان بھی اس راہ میں کام آئے گی"۔

مقصد دولت' اقتدار یا غلبہ نہیں' اللہ کی بندگی اور انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلانا اور صرف ایک اللہ کی بندگی میں لانا تھا اور دولت' قوت' اقتدار اور غلبہ ہر چیز کلمتہ اللّٰہ العلیٰ کے لیے تھی' خود مقصود نہ تھی۔ یہی وجہ ہے حکمرانی کا جو نمونہ حضورؐ نے پیش فرمایا وہ بادشاہوں اور دولت اور اقتدار کے پجاریوں والا نہیں' اللہ کے ایک مطیع بندے اور اللہ کے بندوں کے خادم اور خیرخواہ کا تھا۔

حاتم طائی کے بیٹے عدیؓ عیسائی تھے۔ انھوں نے حضور اکرمؐ کے جو حالات سنے' خصوصیت سے آپ کے نبیؐ ہونے کے ساتھ ساتھ ریاست کے حکمران ہونے کے بارے میں' تو شک میں پڑ گئے کہ آپؐ بادشاہ ہیں یا پیغمبر۔ جب وہ اپنے قبیلے کا وفد لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو عین اس وقت ایک مسکین سی عورت اپنی کسی غرض سے دربار نبوتؐ میں آئی اور لوگوں سے ذرا ہٹ کر کچھ سن لینے کی درخواست کی۔ آپؐ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے' اس کی بات سنی اور اس وقت تک گلی میں کھڑے رہے جب تک وہ اپنی مرضی سے چلی نہیں گئی۔ عدیؓ کہتے ہیں کہ آپؐ کی تواضع اور ملنساری دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ آپؐ پیغمبر ہیں' بادشاہ نہیں۔ (سیرت ابن ہشام)

حضورؐ ایک یہودی عالم کے مقروض تھے۔ اس نے آپؐ سے تقاضا کیا۔ آپؐ نے فرمایا: "اس وقت تو میرے پاس کچھ نہیں ہے"۔ اس نے کہا "میں تو قرض وصول ہی کر کے ٹلوں گا"۔ آپؐ نے فرمایا: "اچھا پھر میں تمھارے ساتھ ہی بیٹھتا ہوں"۔ چنانچہ آپ ظہر سے فجر تک اس کے ساتھ بیٹھے رہے۔ صحابہؓ نے اس یہودی کی اس گستاخی پر ناراضی ظاہر کی اور خدمت عالیؐ میں عرض کیا کہ یارسول اللہؐ آپؐ کو ایک یہودی نے روک رکھا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: "ہاں! لیکن خدا نے مجھے منع کیا ہے کہ میں کسی ذمی یا کسی اور شخص پر ظلم

کروں"۔ جب تھوڑا اور وقت گزرا اور دن ذرا چڑھا تو اس یہودی عالم نے کلمہ پڑھا اور کہا میں اپنی جائیداد کا نصف خدا کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔ میں نے یہ گستاخی اس لیے کی تھی کہ تورات میں پیغمبر کے جو اوصاف مذکور ہیں ان کا تجربہ کروں، بلاشبہ آپؐ خدا کے پیغمبر ہیں، بادشاہ نہیں۔

یہ ہے سنت نبوی میں حکمرانی اور اقتدار کا نمونہ۔۔۔

سروری در دینِ ما خدمت گری است   عدلِ فاروقیؓ و فقرِ حیدریؓ است

ہر کہ عشقِ مصطفیٰؐ سامانِ اوست   بحروبر در گوشۂ دامانِ اوست

ہمارے دین میں سرداری خدمت گری کا نام ہے۔ (ہمارے دین میں) حضرت عمر فاروقؓ کا سا عدل اور حضرت علیؓ کا سا فقر ہے ○ جو شخص عاشق رسولؐ ہے اس کے دامن میں بحروبر کی تمام اشیا ہیں (وہ ساری کائنات پر حکمران ہوتا ہے)۔

دعوت، تزکیہ، خدمت، اصلاح بین الناس، عدل و انصاف، دادرسی اور کرم گستری، یہ ہے سنت نبویؐ میں قوت و اقتدار کا مزاج اور غلبہ دین کا حاصل اور پیغام۔ جب تک مسلمان سنت خیر الانامؐ کے اس مرکزی نکتہ کو ایک بار پھر حرز جاں نہیں بنالیتے، وہ تاریخ میں اپنا حقیقی کردار ادا نہیں کر سکتے۔ اقبال نے اپنے ۱۹۳۰ کے تاریخی خطبہ صدارت میں تصور پاکستان کا اولیں نقشہ ہی پیش نہیں کیا، اس میں اسلام کے انسان ساز اور تاریخ گر کردار کو بھی نمایاں کیا ہے اور ایمان کو ایک ایسے روحانی تجربہ کے طور پر پیش کیا ہے جو انسانی معاشرے کی الہامی ہدایت کی روشنی میں تنظیم نو کرتا ہے اور پھر تاریخ کے اس زریں سبق پر توجہ کو مرکوز کیا ہے کہ:

> "One lesson I have learned from the history of Muslims: at critical moments in their history it is Islam that has saved Muslims and not vice versa".

> "میں نے مسلمانوں کی تاریخ سے ایک سبق سیکھا ہے اور وہ یہ کہ ان کی تاریخ کے تمام نازک اور فیصلہ کن لمحات میں مسلمانوں نے اسلام کو نہیں بچایا۔۔۔ یہ اسلام ہے جس نے ہمیشہ مسلمانوں کو بچایا اور تحفظ اور زندگی فراہم کی ہے"۔

اور جیسا کہ امام مالکؒ نے کہا کہ مسلمانوں کو ان کے بعد کے دور میں بھی ترقی اور بلندی اسی چیز سے حاصل ہو سکتی ہے جس سے ان کو پہلے دور میں عزت اور سربلندی میسر آئی تھی۔۔۔ یعنی قرآن اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم!

:اس کے ری پرنٹ خوبصورت سرورق کی ساتھ / ۳۰۰ روپے سیکڑہ طلب کیے جاسکتے ہیں۔
منشورات، منصورہ، لاہور

مذہب اور تہذیب و تمدن

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے دنیا میں مذہب کا عام تصور یہ تھا کہ زندگی کے بہت سے شعبوں میں سے یہ بھی ایک شعبہ ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں یہ انسان کی دنیوی زندگی کے ساتھ ایک ضمیمے کی حیثیت رکھتا ہے تاکہ بعد کی زندگی میں نجات کے لیے ایک سرٹیفکیٹ کے طور پر کام آئے۔ اس کا تعلق کلیتاً صرف اس رشتے سے ہے جو انسان اور اس کے معبود کے درمیان ہے۔ جس شخص کو نجات کے بلند مرتبے حاصل کرنے ہوں' اس کے لیے تو ضروری ہے کہ دنیوی زندگی کے تمام دوسرے شعبوں سے بے تعلق ہو کر صرف اسی ایک شعبے کا ہو جائے مگر جس کو اتنے بڑے مراتب مطلوب نہ ہوں بلکہ محض نجات مطلوب ہو اور اس کے ساتھ یہ خواہش بھی ہو کہ معبود ان پر نظر عنایت رکھے اور ان کو دنیوی معاملات میں برکت عطا کرتا رہے' اس کے لیے بس اتنا کافی ہے کہ اپنی دنیوی زندگی کے ساتھ اس ضمیمے کو بھی لگائے رکھے۔ دنیا کے سارے کام اپنے ڈھنگ پر چلتے رہیں اور ان کے ساتھ ساتھ چند مذہبی رسموں کو ادا کر کے معبود کو بھی خوش کیا جاتا رہے۔ انسان کا تعلق خود اپنے نفس سے' اپنے ابنائے نوع سے' اپنے گردوپیش کی ساری دنیا سے' ایک الگ چیز ہے' اور اس کا تعلق اپنے معبود سے ایک دوسری چیز ہے۔ ان دونوں کے درمیان کوئی ربط نہیں ہے۔

یہ جاہلیت کا تصور تھا اور اس کی بنیاد پر کسی انسانی تہذیب و تمدن کی عمارت قائم نہ ہو سکتی تھی۔ تہذیب و تمدن کے معنی انسان کی پوری زندگی کے ہیں اور جو چیز انسان کی زندگی کا محض ایک ضمیمہ ہو' اس پر پوری زندگی کی عمارت' ظاہر ہے کہ کسی طرح قائم نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں ہر جگہ مذہب اور تہذیب و تمدن ہمیشہ ایک دوسرے سے الگ رہے۔ ان دونوں نے ایک دوسرے پر تھوڑا یا بہت اثر ضرور ڈالا' مگر یہ اثر اس قسم کا تھا جو مختلف اور متضاد چیزوں کے یکجا ہونے سے مترتب ہوتا ہے۔ اسی لیے یہ اثر کہیں بھی مفید نظر نہیں آتا۔ مذہب نے تہذیب و تمدن پر جب اثر ڈالا تو اس میں رہبانیت' مادی علائق سے نفرت' لذات دنیوی سے کراہت' عالم اسباب سے بے تعلقی' انسانی تعلقات میں انفرادیت' تنافر اور تعصب کے عناصر داخل کر دیے۔ یہ اثر کسی معنی میں بھی ترقی پرور نہ تھا بلکہ دنیوی ترقی کی راہ میں انسان کے لیے ایک سنگ گراں تھا۔ دوسری طرف تہذیب و تمدن نے جس کی بنیاد سراسر مادیت اور خواہشات نفس کے

اتباع پر قائم تھی، مذہب پر جب کبھی اثر ڈالا، اس کو گندہ کر دیا۔ اس نے مذہب میں نفس پرستی کی ساری نجاستیں داخل کر دیں، اور اس سے ہمیشہ یہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کی کہ ہر اس گندی سے گندی اور بدتر سے بدتر چیز کو جسے نفس حاصل کرنا چاہے، مذہبی تقدس کا جامہ پہنا دیا جائے، تاکہ نہ خود اپنا ضمیر ملامت کرے، نہ کوئی دوسرا اس کے خلاف کچھ کہہ سکے۔ اسی چیز کا اثر ہے کہ بعض مذاہب کی عبادتوں تک میں ہم کو لذت پرستی اور بے حیائی کے ایسے طریقے ملتے ہیں جن کو مذہبی دائرے کے باہر خود ان مذاہب کے پیرو بھی بداخلاقی سے تعبیر کرتے ہیں۔

مذہب اور تہذیب کے اس تعامل سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو یہ حقیقت بالکل نمایاں نظر آتی ہے کہ دنیا میں ہر جگہ تہذیب و تمدن کی عمارت غیرمذہبی اور غیراخلاقی بنیادوں پر قائم ہوئی ہے۔

سچے مذہبی لوگ اپنی نجات کی فکر میں دنیا سے الگ رہے، اور دنیا کے معاملات کو دنیا والوں نے اپنی خواہشات نفس اور اپنے ناقص تجربات کی بنا پر --- جن کو ہر زمانے میں کامل سمجھا گیا اور ہر زمانہ مابعد میں ناقص ہی ثابت ہوئے --- جس طرح چاہا چلایا اور اس کے ساتھ اگر ضرورت سمجھی تو اپنے معبود کو خوش کرنے کے لیے کچھ مذہبی رسمیں بھی ادا کر لیں۔ مذہب چونکہ ان کے لیے محض زندگی کا ایک ضمیمہ تھا، اس لیے اگر وہ ساتھ رہا بھی تو محض ایک ضمیمے ہی کی حیثیت سے رہا۔ ہر قسم کے سیاسی ظلم و ستم، ہر قسم کی معاشی بے انصافیوں، ہر قسم کی معاشرتی بے اعتدالیوں، اور ہر قسم کی تمدنی کج راہیوں کے ساتھ یہ ضمیمہ منسلک ہو سکتا تھا۔ اس نے ٹھگی اور قزاقی کا بھی ساتھ دیا، جہاں سوزی اور غارت گری کا بھی، سود خواری اور قارونیت کا بھی، فحش کاری اور قحبہ گری کا بھی۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس غرض کے لیے بھیجے گئے، وہ اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ مذہب کے اس جاہلی تصور کو مٹا کر ایک عقلی و فطری تصور پیش کریں، اور صرف پیش ہی نہ کریں بلکہ اسی کی اساس پر تہذیب و تمدن کا ایک مکمل نظام قائم کر کے اور کامیابی کے ساتھ چلا کر دکھا دیں۔ آپؐ نے بتایا کہ مذہب قطعاً بے معنی ہے اگر وہ انسان کی زندگی کا محض ایک شعبہ یا ضمیمہ ہے۔ ایسی چیزوں کو دین و مذہب کے نام سے موسوم کرنا ہی غلط ہے۔ حقیقت میں دین وہ ہے جو زندگی کا ایک جزو نہیں بلکہ تمام زندگی ہو۔ زندگی کی روح اور اس کی قوت محرکہ ہو۔ فہم و شعور اور فکر و نظر ہو۔ صحیح و غلط میں امتیاز کرنے والی کسوٹی ہو۔ زندگی کے ہر میدان میں ہر ہر قدم پر راہ راست اور راہ کج کے درمیان فرق کر کے دکھائے، راہ کج سے بچائے، راہ راست پر استقامت اور پیش قدمی کی طاقت بخشے اور زندگی کے اس لامتناہی سفر میں، جو دنیا سے لے کر آخرت تک مسلسل چلا جا رہا ہے، انسان کو ہر مرحلے سے کامیابی و سعادت کے ساتھ گزارے۔

اسی مذہب کا نام اسلام ہے۔ یہ زندگی کا ضمیمہ بننے کے لیے نہیں آیا ہے، بلکہ اس کے آنے کا مقصد

ہی فوت ہو جاتا ہے اگر اس کو بھی پرانے جاہلی تصور کے تحت ایک ضمیمہ زندگی قرار دیا جائے۔ یہ جس قدر خدا اور انسان کے تعلق سے بحث کرتا ہے، اسی قدر انسان اور انسان کے تعلق سے بھی کرتا ہے اور اسی قدر انسان اور ساری کائنات کے تعلق سے بھی۔ اس کے آنے کا اصل مقصد انسان کو اس حقیقت سے آگاہ کرنا ہے کہ تعلقات کے یہ شعبے الگ اور ایک دوسرے سے مختلف و بیگانہ نہیں ہیں، بلکہ ایک مجموعے کے مربوط اور مرتب اجزا ہیں۔ اور ان کی صحیح ترکیب ہی پر انسان کی فلاح کا مدار ہے۔ انسان اور کائنات کا تعلق درست نہیں ہو سکتا، جب تک کہ انسان اور خدا کا تعلق درست نہ ہو۔ اسی طرح انسان اور خدا کا تعلق بھی درست نہیں ہو سکتا جب تک کہ انسان اور کائنات کا تعلق درست نہ ہو۔ پس یہ دونوں تعلق ایک دوسرے کی تکمیل و تصحیح کرتے ہیں، دونوں مل کر ایک کامیاب زندگی بناتے ہیں اور مذہب کا اصل کام اسی کامیاب زندگی کے لیے انسان کو ذہنی و عملی حیثیت سے تیار کرتا ہے۔ جو مذہب یہ کام نہیں کرتا، وہ مذہب ہی نہیں ہے اور جو اس کام کو انجام دیتا ہے، وہی اسلام ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا کہ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ۔ اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔

لٹریچر کا روزانہ کچھ نہ کچھ مطالعہ اپنی عادت بنا لیجیے

جدید ذہن کے شبہات دور کرنے کے لیے
اسلام کے حقیقی فہم کے لیے، ۱۲۰۰ صفحات پر مشتمل
سید مودودیؒ کی

"تفہیمات"

(حصہ اول، دوم اور سوم)
آج بھی پہلے دن کی طرح تر و تازہ، ایمان افروز!
ملک بھر کے تحریکی مکتبوں سے حاصل کیجیے

عطیہ اشتہار:

SEARS International
COMPUTERS, PRINTERS & MONITORS
58, First Floor, Hafeez Centre, Gulberg III, Lahore. Pakistan.
Tel: 92-42-5752247-48, Fax: 92-42-5752249

ان اللہ لذو فضل علی الناس
ولکن اکثر الناس لا یشکرون
(البقرہ ۲ : ۲۴۳)

یقیناً
اللہ
انسانوں پر
فضل و کرم
فرمانے والا ہے
لیکن
اکثر لوگ
شکر
ادا
نہیں کرتے !

(بندہ خدا)

حدیث کی برکت اور تزکیہ نفس

مولانا عبدالمالک

زید بن ثابتؓ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ تروتازہ' پُررونق اور ہشاش بشاش رکھے اس آدمی کو جس نے میری بات سنی' پھر اسے دوسروں تک پہنچایا۔ فقہ اور سمجھ داری کی بات کے حامل بعض لوگ خود زیادہ فقیہ نہیں ہوتے اور فقہ کے حامل بہت سے افراد ایسے لوگوں تک بات پہنچا دیتے ہیں جو ان سے زیادہ فقیہ ہوتے ہیں۔

تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے ایک مسلمان کے سینے میں کوئی کھوٹ باقی نہیں رہتا۔ اللہ کے لیے اخلاص عمل' صاحب امر لوگوں کی خیر خواہی اور مسلمانوں کی جماعت سے لازمی تعلق (ابن ماجہ)۔

◆ حدیث کو یاد کرنے' محفوظ کرنے اور آگے پہنچانے والوں کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا بہت بڑا اعزاز ہے۔ اس دعا کی برکت سے ہر دور میں علم حدیث کی خدمت کرنے والوں کو اپنی اپنی خدمت اور کام کے لحاظ سے عزت و رفعت اور خوش حالی اور ظاہری حسن و جمال' رونق اور خوش حالی ملتی رہی ہے۔ جو جس قدر حدیثیں محفوظ کرے گا' جس قدر ان کی اشاعت کرے گا' اسی قدر نبی اکرمؐ کی اس دعا سے اسے فیض ملے گا۔

◆ ہو سکتا ہے جس شخص کو حدیث پہنچائی اور سنائی جائے وہ سنانے والے سے زیادہ فہم و فراست کا مالک ہو۔ وہ حدیث کی وسعتوں اور گہرائیوں سے اس قدر فائدہ اٹھائے اور دوسروں کو پہنچائے جس قدر پہلا شخص نہ اٹھا سکتا ہو۔ یوں حدیث کو آگے پہنچانے کی اہمیت بہت زیادہ ہے کہ اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کا فیض زیادہ عام ہو گا۔

◆ درس حدیث دینے کے لیے بڑا عالم ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک حدیث کو صحیح طرح سے یاد کرنے والا بھی اسے آگے بیان کر سکتا ہے اور اس کا درس دے سکتا ہے۔ تاریخ بھی اس کی شہادت دیتی ہے کہ مسلمانوں نے اس اصول پر عمل کیا اور تھوڑے علم والوں کے درس سے ایسے علما پیدا ہوئے جو اپنے اساتذہ سے زیادہ گہرا علم رکھتے تھے۔ آج بھی اسی کی ضرورت ہے۔

◆ اس حدیث کے دوسرے جزو میں رسول اکرمؐ نے دل کی اصلاح کے لیے جامع نسخہ تجویز فرمایا ہے جس کا

تعلق اللہ سے' اصحاب امر سے اور مسلمانوں کی جماعت سے ہے۔

❖ اللہ کے ساتھ اخلاص کے معنی یہ ہیں کہ ہر کام شریعت کے موافق اور اللہ کی رضا کے لیے ہو۔ صاحب امر لوگوں کی خیر خواہی یہ ہے کہ انھیں معروف کا حکم کیا جائے اور منکر سے روکا جائے اور دین کے نظام کو قائم کرنے اور رکھنے میں ان سے تعاون کیا جائے۔ اس سے اسلامی حکومت اور اسلامی جماعت مضبوط اور مستحکم ہو گی اور لوگ پورے جذبے اور شوق کے ساتھ اللہ کی بندگی کے لیے سرگرم عمل ہوں گے۔ جماعت مسلمین سے لازمی تعلق کے مفہوم میں اجتماعی امور میں سرگرم دلچسپی کے ساتھ یہ بات بھی داخل ہے کہ ایک آدمی یا گروہ کفار کے ایجنٹ کا کردار ادا نہ کرے بلکہ امت مسلمہ کے مفاد کو عزیز رکھے اور جماعت کی وحدت کو قائم رکھنے کے لیے حبل اللہ 'کتاب و سنت کو بنیاد بنائے' فروعی اختلافات اور اجتہادی امور کو ایک امت کو فرقوں میں تقسیم کرنے کا ذریعہ نہ بنائے۔ فرقہ واریت اور مسلمانوں کی جماعت سے حقیقی تعلق ایک ساتھ جمع نہیں ہوتے۔

جس کا ان تین معاملات میں یہ حال ہو' اس کے سینے اور دل میں کوئی کھوٹ کیوں ہو۔

○

سہل بن سعدؓ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یہ دین بند خزانوں کی مانند ہے۔ ان خزانوں کے لیے چابیاں ہیں۔ پس خوش خبری ہے اس بندے کے لیے جسے اللہ تعالیٰ نے خیر کے لیے چابی اور شر کے لیے تالا بنا دیا ہے (اسی طرح لادینیت کی مثال بھی گندگی کے بند ذخیروں کی مانند ہے اور ان بند ذخیروں کے لیے تالے بھی ہیں اور چابیاں بھی)۔ پس ہلاکت ہے اس بندے کے لیے' جسے اللہ نے شر کو کھولنے والا اور خیر کو بند کرنے والا بنا دیا ہے۔ (ابن ماجہ)

❖ جس کے پاس کسی خزانے کی چابی ہو' وہ اس چابی کو بے مصرف سمجھ کر اس سے بے نیاز نہیں ہوتا۔ دین جاننے والے کو' ہر مسلمان کو اپنے خزانے کی قدر و قیمت کا احساس ہونا چاہیے۔ اس کی حفاظت کرے' اسے گزند نہ پہنچنے دے۔ خیر کا خزانہ ہے' اسے خوب پھیلائے اور افادہ عام کرے۔

❖ خیر اور شر دونوں انسانوں کے ذریعے انسانوں تک پہنچتے ہیں۔ خیر انبیا علیہم السلام' علما اور مجاہدین کے ذریعے پھیلتا ہے اور شر شیطان' کفار اور کفر کے لیے لڑنے والوں کے ذریعے پہنچتا ہے۔ یہ کش مکش ہے جس کا آغاز روئے زمین پر انسان کی آمد سے بھی پہلے ہوا اور اب تک جاری ہے۔ اس کش مکش میں کامیابی اسی گروہ کے لیے ہے جو دوسرے سے زیادہ متحرک' فعال اور ثابت قدم ہو' قدم پیچھے نہ ہٹائے' ہمیشہ آگے بڑھائے' جہاں تک نہیں پہنچ سکا وہاں تک پہنچے۔ جو ان شرائط پر جس قدر پورا اترے گا' اسی قدر اسے کامیابی نصیب ہو گی' دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

○

سہل بن سعدؓ فرماتے ہیں:

جبریلؑ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور عرض کیا: "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ جس قدر زندگی چاہیں گزار لیں۔ بالآخر آپ پر موت آئے گی۔ آپ جو بھی عمل کریں گے اس کا بدلہ ضرور ملے گا۔ جس سے محبت کریں (اللہ کے سوا) بالآخر اس سے فراق ہو گا۔ جان لیجیے کہ مومن کا شرف اور بزرگی رات کو قیام کرنا ہے اور اس کی عزت لوگوں سے بے نیازی اختیار کرنے میں ہے"۔ (طبرانی فی الاوسط)

◆ اللہ کے ہاں عزت، اس کے سامنے جھکنے، اس کی عبادت کرنے، راتوں کو اٹھ کر نوافل ادا کرنے اور تلاوت میں ہے۔ لوگوں کے ہاں عزت اس شخص کو ملتی ہے جو لوگوں سے بے نیاز ہو۔ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے والا، ان سے امیدیں لگانے والا، ان کی خوشامد اور چاپلوسی کرنے والا معزز نہیں ہوتا، ذلیل ہوتا ہے۔ تجربہ اور مشاہدہ یہی ہے اللہ کی ولایت، اللہ کی عبادت، طاعت اور ثنا کرنے والوں کو ملتی ہے اور خلق خدا کے ہاں عزت خوددار لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔

◆ دنیا میں آدمی اللہ کے سوا جس سے بھی محبت کرے کوئی تعلق قائم کرے، موت کے ساتھ وہ ختم ہو جاتا ہے۔ صرف اللہ سے محبت اور تعلق موت کے بعد کی زندگی میں جاری رہتا ہے۔ عقل کا تقاضا ہے کہ محبت کا مرکز بس اللہ ہی کو بنایا جائے۔ جب جبرئیلؑ رسولؐ اللہ کو اعمال کا بدلہ یاد دلا رہے ہیں تو ہم کس شمار میں ہیں۔ عمل صالح کی فکر کرنا چاہیے۔

○

ابو عنتہ خولانیؓ سے روایت ہے: فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ اس دین میں نئے نئے پودے لگاتا رہے گا جن سے اپنی طاعت کا کام لے گا۔ (ابن ماجہ)

نئے نئے پودوں کی طرح، اللہ تعالیٰ ہر دور میں نئے نئے لوگوں کو دین کے لیے کھڑا کرے گا۔ یہ دین کے باغ میں ایک طرح کی شجرکاری ہے جو اللہ تعالیٰ قیامت تک کرتا رہے گا۔ یہ لوگ اقامت دین، تجدید دین اور احیا دین کے لیے کام کریں گے، اس کے لیے تحریکیں برپا کریں گے، دعوت و تبلیغ اور تعلیم و تربیت اور جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے ذریعے دین کے چمن کو سرسبز و شاداب کریں گے۔ تاریخ ہر دور میں ایسی تحریکوں کو ہمارے سامنے پیش کرتی ہے اور آج کے دور میں جو تحریکیں اقامت دین کے لیے برپا ہیں وہ اس حدیث کا مصداق ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ اپنی طاعت کی توفیق دے اور ان سے اپنے دین کی سربلندی کے لیے کام لے، انھیں اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ یہ احساس ہونا چاہیے کہ انھیں اللہ تعالیٰ نے خصوصی شرف سے نوازا ہے اور ان کو اپنے کام کے لیے منتخب کیا ہے۔

○

ام انسؓ (یہ حضرت انسؓ بن مالک کی والدہ نہیں ہیں) فرماتی ہیں کہ انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہؐ مجھے وصیت کیجیے۔ آپؐ نے فرمایا:

گناہوں کو چھوڑ دو' یہ افضل جہاد ہے اور کثرت سے اللہ کو یاد کرو۔ کوئی کام ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ کو کثرت ذکر سے زیادہ محبوب ہو۔ اور ایک روایت میں ہے اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو کیونکہ یہ اللہ کو ان تمام اعمال سے زیادہ محبوب ہے جن کے ساتھ تم اللہ سے ملاقات کرو گی۔ (طبرانی' الترغیب والترہیب)

◆ ذکر کی اس فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کی یاد تمام اعمال کی روح ہے۔ ہر عمل کا مرتبہ اس سے بنتا ہے کہ اس عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو کس قدر یاد رکھا گیا ہے۔ نمازیں بھی ذکر الٰہی سے خالی ہوں تو کس کام کی؟ ذکر الٰہی کبھی کبھار کے بجائے کثرت سے کرنا چاہیے۔ ہر عمل کے ساتھ ذکر کو طریقہ بنا لیا جائے۔ اللہ کی یاد آدمی کو گناہوں سے بچائے گی' نیکیوں پر آمادہ کرے گی۔ ہم وہ کیوں نہ کریں جو اللہ تعالیٰ کو دوسرے تمام اعمال سے زیادہ محبوب ہے۔

◆ جو گناہ نفس کو مرغوب ہوں' انھیں چھوڑنا آسان نہیں ہوتا۔ مسلسل جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔ شیطان سے مقابلہ ہوتا ہے۔ اس افضل جہاد میں ذکر الٰہی ہتھیار ہے۔

○

محمود بن لبیدؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دو چیزوں کو ابن آدم ناپسند کرتا ہے' موت کو ناپسند کرتا ہے' حالانکہ موت مومن کے لیے فتنہ سے بہتر ہے اور مال کی قلت کو ناپسند کرتا ہے' حالانکہ مال کی قلت حساب کتاب کو قلیل کرنے والی ہے۔ (مسند احمد)

◆ ایسی زندگی فتنہ ہے جو اللہ کی معصیت میں گزرے۔ جو ایسی زندگی سے نہ صرف خوش ہیں بلکہ اسے طول دینا چاہتے ہیں' وہ اپنی آخرت کو خراب کرنے میں لگے ہوئے ہیں' انھیں جتنی زیادہ زندگی ملے گی اسی قدر عذاب میں اضافہ ہو گا۔ زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت اور فرمانبرداری ہے لہٰذا یہ اسی وقت تک اچھی ہے جب تک آدمی اللہ کی بندگی اور اطاعت کرے۔ اسی طرح مال زیادہ ہو تو اسے اس کے صحیح مصارف میں خرچ کرنے' بخل سے اور اسراف و تبذیر سے بچنے کے لیے پوری کوشش کرنا پڑتی ہے۔ آدمی کی اپنی ضروریات تو تھوڑی ہوتی ہیں۔ زائد مال تو ایک اضافی خدمت ہے جو آدمی اپنے ذمے لیتا ہے۔ قیامت کے روز حساب دینا ہو گا کہ اس مال کو کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ اس لیے مال کی کثرت کو ایک بوجھ سمجھ کر تھوڑے پر قناعت کے لیے طبیعت کو آمادہ کرنا چاہیے۔

ایک تاریخ ساز دن

خرم مرادؒ

بدر کا دن صحیح معنوں میں ایک تاریخ ساز دن تھا۔ ایک ایسا تاریخ ساز دن جس کی مثال انسان کو اپنی تاریخ میں مشکل سے ہی ملے گی۔

۱۷ رمضان المبارک کو' جمعہ کے دن' آج سے ۱۴۲۶ سال قبل' بدر کے میدان میں جو معرکہ پیش آیا اس نے انسانی زندگی کے دھارے کا رخ بدل دیا' اور ایک نئی دنیا کی تشکیل کی بنیادیں رکھ دی گئیں۔ ایسا دن جب آتا ہے تو عموماً بعد میں آنے والا مورخ ہی حکم لگایا کرتا ہے کہ یہ تاریخ ساز دن تھا۔ مگر بدر کا دن اس لحاظ سے ایک منفرد دن ہے کہ فوراً ہی اعلان کر دیا گیا کہ یہ "یوم الفرقان" ہے' یہ عہد کہنہ اور عہد نو کے درمیان ایک فیصلہ کن دن ہے۔

بدر کے میدان میں یہ طے ہو گیا کہ آنے والا دور ضمیر و ایمان اور فکر و عمل کی حریت کے لیے فتح و کامرانی کا دور ہو گا۔ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ غلبہ' قلت تعداد اور بے سرو سامانی کے باوجود' خدا پرستی کی دعوت کا مقدر فتح ہے' بشرطیکہ خدا کے نام لیوا ایمان و اخلاص' جہد و قربانی' صبر و ہمت اور اطاعت و اتحاد کی چلتی پھرتی تصویر بن جائیں۔ پھر جہاں فرد کا صحیح مقام متعین ہوا' وہاں خدا پرستی پرائیویٹ زندگی کے کونوں کھدروں سے نکل کر پبلک زندگی کے ایوانوں پر چھا گئی' وہ تہذیب و تمدن کی روح بن گئی۔

دنیا میں ہونے والے فیصلہ کن معرکوں کے پیمانے سے تو یہ جنگ کوئی جنگ ہی نہ تھی۔ خصوصاً آج کی مہذب اور ترقی یافتہ دنیا نے خون ریزی کے جو عظیم معیار قائم کیے ہیں ان کے لحاظ سے تو یہ ایک معمولی جھڑپ بھی نہ تھی۔ پہلی جنگ عظیم (۱۸-۱۹۱۴) میں ۵ کروڑ سپاہی لڑے' ۸۰ لاکھ مارے گئے' ڈھائی کروڑ زخمی اور ناکارہ ہوئے۔ دوسری جنگ عظیم (۴۵-۱۹۳۹) میں مرنے والے اندازاً ۶ کروڑ تھے' صحیح تعداد کوئی بھی نہیں جانتا۔ اس کے مقابلے میں بدر کے میدان میں صرف ایک دن لڑائی ہوئی' لڑنے والوں کی تعداد ۱۳۰۰ کے قریب تھی اور مرنے والوں کی تعداد ۸۶ تھی۔ ان دو عظیم جنگوں نے انسان کی دنیا کو دکھ درد اور تباہی و بربادی سے بھر دیا۔

مگر بدر کے معرکے کے بعد' جان بلب انسانیت کے جسم میں زندگی کی نئی رو دوڑ گئی۔ غلامی کی ساری زنجیریں کٹ گئیں' انسانوں کی غلامی ہو' توہمات کی' یا دنیا کی۔ مظلوموں کی پیٹھوں پر سے صدیوں کے لادے ہوئے بوجھ اٹھا کر پھینک دیے گئے۔ رہبانیت ختم ہو گئی' اور قیصرو کسریٰ کے تخت و تاج الٹ دیے گئے۔ آقا اور غلام کا فرق مٹ گیا۔ اسپین کے مرغزاروں سے لے کر چین تک' انسان نے سیکڑوں برس امن و سلامتی' حریت و مساوات اور عدل و احسان کے جتنے میٹھے پھل کھائے ہیں وہ سب بدر کے میدان ہی کے پھل ہیں۔

بدر کا معرکہ کیوں پیش آیا؟

بدر کی جنگ عقیدہ اور ایمان کی جنگ تھی' یہ انسان کے اس بنیادی حق کے لیے جنگ تھی کہ وہ اپنے ضمیر کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لیے آزاد ہے' یہ جبرو آمریت کے اس "فتنہ" کو ختم کرنے کے لیے جنگ تھی کہ وہ ظلم و تشدد سے لوگوں کی راہ روکے اور اپنی راہ چلائے۔

جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دینے والوں کو جنگ کی اجازت دی گئی تو یہ کہہ کر دی گئی کہ "ان پر ظلم کیا گیا' ان کو ناحق ان کے گھروں سے نکالا گیا' صرف اس جرم میں کہ انھوں نے کہا کہ ہمارا رب صرف اللہ ہے" (الحج ۲۲:۳۹-۴۰)۔ جب لڑنے کا حکم دیا گیا تو یہ کہہ کر دیا گیا کہ "لڑو ان سے یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے' اور حکم سب اللہ کا ہو جائے" (الانفال ۸:۳۹)۔

مکہ میں تیرہ برس جھگڑا ہی یہ تھا۔ ایک طرف وہ تھے جنھوں نے غار حرا کے اس پیغام کی روشنی میں زندگی کی راہ چلنے کا فیصلہ کر لیا تھا کہ "ساری زندگی کا رشتہ صرف اپنے اس رب کے نام کے ساتھ جوڑو جس نے تمھیں پیدا کیا' اور جو سارے علم کا سرچشمہ ہے"۔ دوسری طرف وہ تھے جو گالیاں دے کر' پتھر برسا کر' انگاروں پر لٹا کر' تپتی ریت پر گھسیٹ کر' گھروں سے نکال کر' بھوکا پیاسا رکھ کر' اس راہ کو بند کرنا چاہتے تھے جو لوگوں نے اپنی آزاد مرضی سے اختیار کی تھی۔

سوال یہ تھا کہ کیا کسی انسان کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی مرضی دوسرے انسان پر مسلط کر دے؟ کیا ظلم سے ضمیر کو کچلا جا سکتا ہے؟ کیا جبرو تشدد کر کے روشنی سے واپس اندھیرے میں آنے پر' دوبارہ اندھی تقلید' ہوائے نفس اور توہم پرستی کی زنجیریں پہننے پر' مجبور کیا جا سکتا ہے؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی مدینہ پہنچے ہی تھے کہ قریش مکہ نے مدینہ میں اپنے حلیفوں کو پیغام بھیجنا شروع کر دیے کہ جو یہاں سے نکالے گئے ان کو وہاں سے بھی نکالو۔ پھر انھوں نے مدینہ کے قرب و نواح میں کھیتوں اور مویشیوں کو لوٹا اور برباد کیا۔ ادھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر بھی مستقبل کے امکانات و خطرات سے غافل نہ تھی۔ آپؐ نے مشرک قبائل سے معاہدات کر کے ان کو اپنا حلیف بنایا۔ پٹرول پارٹیاں

روانہ کیں، قریش کی شاہراہ تجارت کی ناکہ بندی کا سامان شروع کیا۔

قریش نے بھی فیصلہ کن جنگ کے مصارف کے حصول کے لیے ایک تجارتی قافلہ شام کی طرف روانہ کر دیا، جس میں مکہ کے تقریباً ہر گھر نے اپنا سب کچھ لگا دیا۔ پھر اس قافلے کی حفاظت کے لیے ہر قسم کے سازوسامان سے لیس، تقریباً ایک ہزار کا لشکر مدینہ کی طرف روانہ کر دیا۔

اب ایک طرف تجارتی قافلہ تھا، دوسری طرف قریش کا لشکر جرار۔ یہ فیصلہ کرنا بڑا مشکل تھا کہ کس کا قصد کیا جائے۔ قافلہ زیادہ سہل اور ممکن الحصول تھا۔ لشکر سے مڈبھیڑ کے معنی گویا موت کے منہ میں جانے کے تھے۔ حضورؐ نے اپنے ساتھیوں کو مشورے کے لیے جمع کیا، اس لیے کہ آپؐ کوئی کام مشورے کے بغیر نہ کرتے تھے۔ صحابہؓ کرامؓ نے وفاداری و جان نثاری اور ایمان و ہمت کا ایک نیا باب رقم کیا۔

مہاجرین میں سے مقدادؓ بولے: "ہم موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح یہ نہ کہیں گے کہ آپ اور آپ کا رب جا کر لڑیں۔ ہم آپؐ کے داہنے سے، بائیں سے، پیچھے سے، سامنے سے لڑیں گے، جب تک ایک آنکھ بھی گردش کر رہی ہو"۔ حضورؐ کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ لیکن آپؐ کو انتظار تو انصار کی رائے کا تھا، جو راہ حق کے لیے نئے ساتھی تھے۔ سعد بن عبادہؓ کھڑے ہوئے: "حضورؐ کا اشارہ ہماری طرف ہے؟ خدا کی قسم آپؐ فرمائیں تو ہم سمندر میں کود پڑیں"۔ اب فیصلے میں کیا تردد ہو سکتا تھا۔

بدر کے میدان میں ان دونوں انسانی گروہوں کو آمنے سامنے کر دیا گیا۔ ایک انسانیت کے لیے زندگی کا نقیب تھا، دوسرا ہلاکت و بربادی کا۔ بدر میں زندگی کے نقیب گروہ کو قلت تعداد اور بے سروسامانی کے باوجود فتح حاصل ہوئی۔ اس طرح حق کو حق کا مقام مل گیا، کہ وہی غالب و ثابت اور قائم ہو۔ اور باطل، باطل ہو کر رہ گیا۔ جس کے پاس حق کی روشنی تھی وہی زندہ رہا، جو باطل کی تاریکی میں تھا وہ دن کی روشنی میں ہلاک ہو گیا۔ (الانفال ۸: ۷، ۸، ۴۲)

بدر کا دن خدا اور اس کے بندوں کے درمیان عہد کا دن تھا۔

جب دونوں لشکر صف آرا ہو گئے، تو حضورؐ اپنے سائبان کے نیچے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ اس کے آگے ہاتھ پھیلا دیے کہ سب کچھ اسی سے ملتا ہے اور ساری قوت و طاقت کا سرچشمہ وہی ہے۔ روئے اور گڑگڑائے۔ کبھی کھڑے ہوتے، کبھی جھکتے، چادر شانوں سے ڈھلک جاتی۔ آپؐ کی زبان پر کیا الفاظ تھے:

"خدایا، اگر چند آدمیوں کا یہ گروہ آج مٹ گیا تو پھر قیامت تک تیری بندگی نہ کی جائے گی"۔

ان الفاظ میں ناز بھی ہے، اور نیاز بھی۔ لیکن دراصل تو یہ ایک عہد ہے۔ آپؐ نے یہ نہ فرمایا کہ اگر یہ گروہ مٹ گیا تو کھیتی باڑی نہ ہو گی، تجارت نہ ہو گی، حکومت نہ ہو گی، معاشی ترقی نہ ہو گی۔ آپؐ نے فرمایا

کہ اللہ کی بندگی نہ ہو گی۔ گویا امت کو تو نے زندگی بخشی تو وہ بندگی رب کی علم بردار بن کر جییے گی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فتح عنایت فرما کر اس معاہدے پر مہر ثبت کر دی۔ بدر کے بعد، خدا کے آخری نبی، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بندگی رب کی دعوت پر لبیک کہنے والوں کا مقدر، ان کا عروج و زوال، ان کی نامرادی و کامرانی، ان کی غلامی و آزادی، اور ان کی موت و حیات کا سارا انحصار اس بات پر ہے کہ وہ اسی بندگی رب کے داعی بن کر کھڑے ہوں، اسی کو اپنا مشن اور مقصد بنائیں، اسی کی خاطر جییں اور مریں۔

آج اس امت کے سارے آزار اسی لیے ہیں کہ اس نے معاشی ترقی کی دیوی کے چرنوں پر اپنی پیشانی ٹیک دی۔ لیکن نہ خدا مل رہا ہے نہ وصال صنم۔

بدر کا معرکہ، غار حرا میں عرفان حق کے ساتھ ہی طے پا گیا تھا۔ یہ ساتویں آسمان تک سفر کی ناگزیر منزل تھا۔ علامہ اقبالؒ ایک صوفی کے یہ الفاظ نقل کر کے، کہ: "محمد عربیؐ ساتویں آسمان تک گئے اور واپس آگئے، میں کبھی واپس نہ آتا" کہتے ہیں کہ ایک صوفی اور نبی میں یہی فرق ہے۔ صوفی خود کو حق میں گم کرنا چاہتا ہے۔ نبی کو عرفان حق اور وصال حق کی دنیا سے لوٹ کر خود کو وقت کے دھارے میں ڈال دینا ہوتا ہے۔ وہ تاریخ ساز قوتوں کو کنٹرول کر کے ایک نئی دنیا کی تشکیل کرتا ہے۔ بدر کا دن اسی لیے تاریخ ساز تھا کہ خدا پرستی خانقاہوں اور معبدوں، غاروں اور صحراؤں، روح اور نفس کی گہرائیوں سے نکل کر تہذیب ساز اور تاریخ ساز بلکہ خود تہذیب اور تاریخ بن گئی۔

بدر کا دن اس حکم میں بھی مضمر تھا جو حرا کے بعد سب سے پہلے آیا۔ "اٹھو، آگاہ کرو، اور انسان کی زندگی کو اس بنیاد پر قائم کر دو کہ کبریائی صرف اللہ کے لیے ہے"۔ اس لیے کہ جن کا مبلغ علم دنیا تھی، اور جنھوں نے انسانوں کی گردن پر، خود خدا بن کر یا جھوٹے خداؤں کا واسطہ بن کر، مسلط ہو کے اپنی دنیا کے ٹھاٹ باٹ سجا رکھے تھے، ان کو تو ظلم و جبر کا ہر ہتھیار لے کر اس دعوت کے آگے صف آرا ہونا ہی تھا۔

پھر جب انھوں نے "ربنا اللہ" ماننے والوں پر مکہ میں رہ کر اپنے رب کی بندگی کرنا دوبھر کر دیا، اور مکہ سے مدینہ کا تاریخی سفر ہجرت ہوا تو بدر کا معرکہ پیش آنا ہی تھا۔ جن کا مکہ میں رہنا گوارا نہ ہوا تھا، ان کا مدینہ میں رہ کر پھلنا پھولنا کس طرح برداشت کیا جا سکتا تھا۔

ہجرت کی راہ بھی کوئی مصائب سے نجات کی راہ کے طور پر نہ پکڑی گئی تھی، نہ یہ امن و سکون سے ایک گوشے میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنے کے لیے تھی۔ اگر مطلوب صرف یہی ہوتا تو مکہ کے ظالم و جابر بھی بخوشی اللہ اللہ کرنے کے لیے سہولتیں اور آسائشیں فراہم کر دیتے۔ ہجرت کا سفر تو اس ایمان کا سفر تھا جس کا لب لباب اپنے رب سے وفاداری اور عہد وفا نباہنا اور اس کی کبریائی سب زندگی اور سب زمین پر قائم کر دینا ہے۔ اور بدر کا معرکہ اس ایمان کے سفر کی ناگزیر منزل تھی۔

بدر نے یہ ثابت کر دیا کہ تاریخ کی میزان میں اصل وزن مادی طاقت کو حاصل نہیں، بلکہ اخلاقی طاقت کو حاصل ہے۔ قریش کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ تھی، مسلمان ۳۱۳ تھے۔ ان کے پاس ۱۰۰ گھڑ سواروں کا رسالہ تھا، ادھر صرف دو تین گھوڑے تھے۔ ادھر ۷۰۰ اونٹ تھے، ان کے پاس مشکل سے ۷۰ تھے۔ لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کے پاس ایمان تھا، ہمت تھی، وہ اپنے دین کے مطابق زندگی بسر کرنے کی آزادی کے لیے لڑ رہے تھے۔ فتح ان کا مقدر تھی۔

بدر کے میدان میں وطن، خون، رنگ، زبان کے سارے بت پاش پاش ہو گئے۔ جو آمنے سامنے تھے، ان کا رنگ ایک تھا، ان کی زبان ایک تھی، ان کی نسل ایک تھی، ان کا وطن ایک تھا، ان کا خون بھی ایک تھا۔ باپ بیٹے کے خلاف اور بھائی بھائی کے خلاف صف آرا تھا۔ یہ جنگ ایسے دو گروہوں کے درمیان تھی جو عقیدہ اور طرز زندگی کی بنیاد پر مختلف تھے۔

مذہب اور عقیدے کو یورپ نے خون ریزی کے لیے خوب بدنام کیا ہے۔ لیکن انسانوں کی یہی تقسیم، تقسیم رحمت ہے۔ اس تقسیم کو انسان اپنے صرف ضمیر کے اختیار کو استعمال کر کے جب چاہے منہدم کر سکتا ہے۔ نسل، خون، رنگ اور جغرافیہ، انسان اور انسان کے درمیان ناقابل عبور فصیلیں کھڑی کر دیتے ہیں۔ یہ اس کو ایسی جبریت کے شکنجے میں کستے ہیں جس سے کوئی نجات نہیں۔ کوئی کالا اپنے اختیار سے گورا نہیں بن سکتا، کوئی پنجابی، سندھی نہیں بن سکتا، کوئی اپنی جائے پیدائش نہیں بدل سکتا۔ لیکن انسان جب چاہے اپنا عقیدہ بدل سکتا ہے۔

گویا اب ایک نئی امت وجود میں آئی۔ ”جو ایمان لائے، جنھوں نے ہجرت کی اور اپنے مال و جان سے جہاد کیا، جنھوں نے ان کو پناہ دی، اور ان کی مدد کی، وہی ایک دوسرے کے ولی ہیں۔ اور ان کا یہی رشتہ ولایت دنیا کو فساد کبیر سے بچانے کا ضامن ہے“۔ (الانفال)

بدر کی داستان تو ایک ایسی ہمہ پہلو داستان ہے کہ اس کا جو ورق الٹیے اس پر تاریخ انسانیت کا ایک نیا باب رقم ہے۔ لیکن جس امت کو بدر میں زندگی بخشی گئی ہے، اس نے اس داستان کے سارے اوراق پریشان کر کے ضائع کر دیے ہیں۔ آج ذلت و مسکنت، نکبت و افلاس، مغلوبیت و غلامی، افتراق و انتشار اس کا مقدر اسی لیے ہے۔ اس کے لیے اتحاد و ترقی، عظمت و سربلندی کی ضمانت اسی مشن اور مقصد میں ہے جس پر اس کی طرف سے اس کے قائد اولؐ نے بدر کے میدان میں مہر ثبت کی۔

خرم مراد: حیات و خدمات، شمارہ خاص ماہنامہ آئین، لاہور

زیر ترتیب ہے۔ احباب سے گذارش ہے کہ اپنی نگارشات ۲۵ جولائی تک ارسال کر دیں۔ ماہ اشاعت کا اعلان جلد کیا جائے گا۔ مظفر بیگ، مدیر آئین

ہماری اہم مطبوعات

۱۔ تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام	مولانا قاری طیب	۹۔ البدر	سلیم منصور خالد
۲۔ النبی الخاتم	مولانا مناظر حسن گیلانی	۱۰۔ اشعار	
۳۔ رحمت عالم	سید سلمان ندوی	۱۱۔ پیکر جمیل	حمید شاہد
۴۔ تحریک اسلامی کامیابی کی شرائط	سید ابوالاعلیٰ مودودی	۱۲۔ کاروان شہداء	عباس اختر اعوان
۵۔ اسلامی قیادت	خرم مراد	۱۳۔ لذت تقریر	عبداللہ شاکر
۶۔ کارکنوں کے باہمی تعلقات	خرم مراد	۱۴۔ پھر ایک کارواں لٹا	نعیم صدیقی
۷۔ تعلیم الاسلام	مفتی کفایت اللہ	۱۵۔ کیا ہم مسلمان ہیں (اول تا سوئم)	شمس نوید عثمانی
۸۔ فہم القرآن	سید ابوالاعلیٰ مودودی	۱۶۔ اسلام عصر حاضر میں	سید ابوالاعلیٰ مودودی

سفید کاغذ دیدہ زیب پرنٹنگ' مضبوط بائنڈنگ اور خوبصورت ٹائٹل کے ساتھ مندرجہ بالا کتب دستیاب ہیں اپنے آرڈر سے فوراً مطلع فرمائیں۔

شرائط: کتابوں کی تعداد کم ہونے کی صورت میں وی پی پی اور زیادہ ہونے کی صورت میں بذریعہ بلٹی روانہ کی جائیں گی۔

ادارہ مطبوعات طلبہ ۱۔ اے ذیلدار پارک اچھرہ لاہور۔

تفسیر فی ظلال القرآن

سید قطب شہید ترجمہ: سید معروف شاہ شیرازی

جلد پنجم آچکی ہے

ترجمہ مکمل ہوچکا ہے جلد ششم زیر طبع

جلد اول	جلد دوم	جلد سوم	جلد چہارم	جلد پنجم
ہدیہ ۳۰۰روپے	ہدیہ ۳۷۵روپے	ہدیہ ۳۲۵روپے	ہدیہ ۳۲۵روپے	ہدیہ ۳۷۵روپے

اگست ۱۹۹۷ء تک مبلغ۔/۱۵۰۰ روپے میں ایڈوانس بکنگ جاری ہے۔
ڈاک خرچ بذمہ خریدار ہوگا۔

پہلے ایڈیشن میں آپ سیٹ بک کروائیں تاکہ آخری جلد کی اشاعت آسانی سے ہوسکے۔
اپنی رقم' منی آرڈر' بنک ڈرافٹ بنام سید عارف شیرازی ارسال فرمائیں

ادارہ منشورات اسلامی
بالمقابل منصورہ ملتان روڈ لاہور۔ p/o اعوان ٹاؤن

سستی و کاہلی کا علاج

محمد بشیر جمعہ

(دوسری اور آخری قسط)

کیا آپ کے ساتھ کبھی ایسا ہوا ہے کہ آپ نے ایک کام کرنے کا مستحکم ارادہ کیا ہوا ہو اور مکمل منصوبہ بندی بھی کر لی ہو مگر عمل درآمد میں تھوڑی سی تاخیر کی وجہ سے کسی اور فرد نے یہ کام کر لیا ہو۔ نتیجتاً آپ اپنے مقاصد حاصل نہ کر سکے ہوں اور دوسرے افراد ترقی کر گئے ہوں۔ کہتے ہیں کہ ایک پروڈکٹ کا کاروبار شروع ہوا تو اس کی ابتدا کرنے والے کسی وجہ سے اپنے حقوق سرکاری ادارے میں رجسٹر نہ کرا سکے۔ کسی اور صاحب نے ان کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اپنے نام وہی پیٹنٹ رجسٹر کرا لیا اور اصلی مالکان کو قانونی نوٹس دے دیا۔ اصل مالکان نے لاکھ کوشش کی اور پیش کش بھی کی مگر دعوے دار نہیں مانے اور اصل مالکان کو اپنی پروڈکٹ بند کرنی پڑی۔ گو کہ دعوے دار نے ظلم کیا مگر اصل مالکان کو اپنی کاہلی کی سزا ملی۔ رجسٹریشن تو وکیل کے ذریعے بڑی آسانی کے ساتھ ہو سکتا تھا مگر یہ تو تساہل تھا جس کے باعث ان اصل مالکان کو اتنا بڑا نقصان برداشت کرنا پڑا۔ ہم اپنی کاہلی اور سستی یا ٹالنے کی عادت کے باعث زندگی میں مالی نقصان اٹھاتے ہیں' دوستوں اور خیر خواہوں سے تعلقات خراب کر لیتے ہیں' افسران کی ناراضگی مول لیتے ہیں' اعتماد اور عزت کو کھو دیتے ہیں' اہل خاندان اور رشتے داروں کے ساتھ تنازعات پیدا ہو جاتے ہیں' حادثات اور تکالیف کا شکار ہو جاتے ہیں' اہل خانہ کو ناراض کر ڈالتے ہیں اور خود ان تمام واقعات کے باعث ایک شکست خوردہ شخصیت بن جاتے ہیں۔

اسی تساہل کے باعث ہم زندگی کے معمولی سے معمولی کاموں کو جن کے لیے عام طور پر صرف پانچ منٹ کافی ہوتے ہیں سالوں ٹالتے رہتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض اہم معاملات میں ان چھوٹے کاموں کی جانب بے توجہی' بڑے نقصان سے دوچار کر دیتی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان اپنے آپ کو بڑی آسانی کے ساتھ مطمئن کر لیتا ہے اور انتہائی اہم امور سے فرار کے لیے ہزاروں بہانے تلاش کر لیتا ہے۔

ہم سُست اور کاہل کیوں ہوتے ہیں؟

سستی اور کاہلی ایک بیماری ہے اور انتہائی نقصان دہ نشہ۔ اس کی وجوہات: زندگی کے بارے میں مقاصد کا واضح نہ ہونا' ترجیحات کا متعین نہ ہونا' اہم اور فوری امور کے بارے میں شعور کی کمی' اطمینان اور کارکردگی کے تصور کی کمی' ناکامی کا خوف' اپنی ذات کا حقیقت سے بلند تصور' عموماً بغیر غلطی کے فرشتوں کی طرح کام کرنے کا سوچتے رہنا' افراد اور متعلقہ لوگوں کو کام تفویض نہ کرنا اور نہ ہی ان کی تربیت کرنا' اور حالات اور ضروریات کے مطابق مطلوبہ صلاحیتوں کی کمی اور ضعف ارادہ ہیں۔

یہ تساہل' انسانی زندگی میں مادی طور پر تو نقصان دہ ہے ہی مگر دین کے معاملے میں یہ تساہل بعض اوقات نفاق کی حدود تک لے جاتا ہے۔ نمازوں کے معاملے میں تساہل تو قرآن کے مطابق منافقوں کی علامات میں سے ایک ہے۔

تساہل ایک ایسا مرض ہے جس کا علاج محض تصور کرنے سے نہیں ہو گا۔ بلکہ یہ نفس کے خلاف ایک جہاد ہے جو کرنا ہو گا۔ بڑے موذی کو مارا' نفس امارہ کو گر مارا۔ آیئے کچھ عملی اقدامات کریں۔

منصوبہ بندی

ایک غزوہ کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام سے آگے بیٹھے تھے اور مٹی پر اپنی انگشت مبارک سے کچھ لکیریں کھینچ رہے تھے۔ حدیث دفاع کے مصنف' میجر اکبر خاں کے مطابق' درحقیقت یہ جنگی پلان تیار ہو رہا تھا۔ زندگی کے ہر معاملے میں پہلے سے سوچنا اور اس کی منصوبہ بندی کرنا نہ صرف حکمت کا خاصہ بلکہ سنت نبویؐ ہے۔ ہم ایک موذی مرض اور نقصان دہ عادت سے اپنی شخصیت کو پاک کرنا چاہ رہے ہیں' یقیناً ہمیں اس کے لیے منصوبہ بندی کرنی ہو گی۔

جائزہ: خود احتسابی

آپ اپنی ذات کے ساتھ محبت اور دوستی' اور اپنے ضمیر کے ساتھ ایمان داری کے ساتھ ایک فہرست تو بنایئے جس میں مندرجہ ذیل امور کے بارے میں آپ کی کاہلی اور سستی کی عادتیں اور صورتیں درج ہوں:
○ اللہ تعالیٰ اور سنت رسولؐ کی پیروی' ○ حقوق العبادؐ ○ آخرت کی تیاری' ○ اپنی رعیت یعنی اہل خانہ' بیوی بچے' ○والدین' رشتے دار اور پڑوسی' ○دوست احباب اور کاروباری' دفتری ساتھی' ○ گھریلو امور' ○دفتر اور کاروباری امور' ○مالی امور' ○اپنا کیریئر' ○اپنی ذات۔

اب آپ اپنی اصلاح کی کوشش کیجیے۔ مگر برق رفتاری اور چھلانگیں لگا کر نہیں' اپنی طبیعت اور مزاج اور عادات کو سامنے رکھتے ہوئے کرنے کے کام تحریر کیجیے۔ آہستہ آہستہ اور چھوٹے چھوٹے مراحل

میں تبدیلی لائیے۔

ایکشن پلان: تجاویز

۱۔ صبح و شام' پلاننگ و احتساب: صبح و شام چند لمحات نکالیے جس میں اپنی زندگی کے بارے میں سوچیے اور اپنی نیت کا جائزہ لیجیے۔ منہاج القاصدین میں علامہ ابن جوزیؒ تحریر کرتے ہیں کہ حضرت شبلیؒ ابو الحسین نوریؒ کے پاس گئے۔ وہ بالکل ساکن بیٹھے تھے۔ شبلیؒ نے ان سے پوچھا "آپ نے یہ مراقبہ اور سکون کس سے سیکھا ہے؟" کہا "اپنی بلی سے سیکھا ہے۔ جب وہ شکار کا ارادہ کرتی تو اپنے آپ کو اس طرح ساکن کرلیتی کہ اس کا ایک بال بھی حرکت نہ کرتا"۔ بس صبح و شام میں چند لمحات نکال کر ذہنی و جسمانی طور پر اپنے آپ کو مرکوز کرلیجیے۔ اس قسم کا جائزہ یقیناً مفید ہو گا۔ اپنے تساہل کو آہستہ آہستہ ختم کیجیے۔

۲۔ واضح مقصد اور حصوں میں تقسیم: جو بھی مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں' وہ واضح ہو مگر اس کے مختلف چھوٹے چھوٹے حصے کر لیں۔ جیسے چھٹی کے دن کے لیے آپ نے طے کیا کہ میز اور الماریوں کی صفائی کرنی ہے۔ یہ کام دوپہر کے کھانے سے ایک گھنٹہ پہلے ختم ہونا ہے۔ تو پہلے آپ اندازہ کرلیجیے کہ کتنا کام ہے' میز اور الماریاں دونوں الگ الگ نوعیت کے کام ہیں۔ اندازہ لگا لیجیے کہ کتنے گھنٹے درکار ہیں۔ پھر میز کے کاغذات کی کیسے تقسیم کرنی ہے۔ فرض کیجیے چار مختلف حصوں میں۔ اس کے بعد صفائی کرنی ہے' جراثیم کش دوا چھڑکنی ہے اور کاغذات کو متعلقہ فائلوں میں لگانا ہے۔ اسی انداز سے الماریوں کی صفائی ہے۔ پہلے تو اس کی ترتیب ذہن میں رکھ لیجیے۔ اس کے بعد کپڑوں کی ترتیب نو اور فاضل اور پرانے کپڑوں کو نکالنے کے بارے سوچ لیجیے۔ پھر کام کی تقسیم ---- الماری سے سامان نکالنا' گرد صاف کرنا' دوائیں چھڑکنا' کپڑے الگ الگ کرنا اور ترتیب سے رکھنا۔ ان دونوں کاموں میں گھر کے افراد اور بچوں سے بھرپور تعاون بھی آپ حاصل کرسکتے ہیں۔

۳۔ توازن' تواتر و تسلسل: جو کام بھی کریں' اس میں توازن' تواتر اور تسلسل ضرور برقرار رکھیں۔ کسی چھوٹی سی کامیابی کے بعد خرگوش کی طرح مطمئن مت ہو جایئے ورنہ کچھوا اپنے عمل مسلسل سے آگے نکل جائے گا۔

۴۔ حقیقت پسندی: اپنے حالات میں حقیقت پسند بنیے۔ احساس کامیابی ضرور رکھیے اور کامیابی کے تصور کو بھی واضح رکھیے۔ دنیا زیادہ جمع کرنے کی نہ تو فکر کیجیے اور نہ ہی کوشش۔ حسب ضرورت اگر مل جاتا ہے اور اس میں مستقبل کی کفالت کے لیے بچت ہو جاتی ہے تو بہتر ہے۔ دنیا کے معاملے میں اپنے سے کمتر افراد کو دیکھیے۔ دین' علم اور فہم کے معاملے میں اپنے سے بہتر افراد کو دیکھیے۔ دنیا کے لالچ کو کم کیجیے۔ اپنے اوپر امانتوں اور ذمے داریوں کے بوجھ کو مت بڑھایئے۔ واقعات معراج النبیؐ میں ہے کہ آپؐ

نے ایک شخص کو دیکھا کہ لکڑیوں کا گٹھا جمع کر کے اٹھانے کی کوشش کرتا ہے اور جب وہ نہیں اٹھتا تو اس میں کچھ اور لکڑیاں بڑھا لیتا ہے۔ پوچھا: یہ کون احمق ہے؟" کہا گیا: "یہ وہ شخص ہے جس پر امانتوں اور ذمے داریوں کا اتنا بوجھ تھا کہ اٹھا نہ سکتا تھا مگر یہ ان کو کم کرنے کے بجائے اور زیادہ ذمہ داریوں کا بار اپنے اوپر لادے چلا جاتا تھا"۔ مشہور ماہر انتظامیات، پیٹر ڈرکر کی تجویز ہے کہ اپنے کاموں اور معاملات کی فہرست کم کیجیے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ لوگ اپنی انا کی غیر ضروری تسکین کے لیے اپنی ہمت اور قوت سے زیادہ بوجھ اٹھا لیتے ہیں اور ناکامی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ سورہ بقرہ کی آخری آیت میں اپنے اوپر پہلی امتوں کی طرح بوجھ نہ ڈالنے کی دعا کی گئی ہے۔

۵۔ **ادھورے کام اور ترجیحات:** اپنے غیر مکمل کاموں اور ارادوں کی فہرست تیار کیجیے اور پھر ترجیحات متعین کیجیے، کرنے کے کام اور نہ کرنے کے کام۔ خود فیصلہ کر لیجیے کہ یہ اور یہ کام نہیں کرنا ہیں، اپنے ذہن، یادداشت اور اعصاب پر بوجھ ڈالنے کی کیا ضرورت ہے۔

۶۔ **ڈیڈ لائن:** ہر کام کے لیے مدت کی حدود معین کیجیے۔ وہ کام پایہ تکمیل تک پہنچنا بہت ہی مشکل ہے جس کے لیے آپ نے ٹارگٹ اور ڈیڈ لائن مقرر نہیں کی۔ کام کی ضرورت کے لحاظ سے دیکھیے کہ کتنا وقت درکار ہے۔ آپ یقین کیجیے کہ جو کام اور تحریر ہم امتحان کے تین گھنٹے میں کر لیتے ہیں عام دنوں میں تین دنوں میں بھی نہیں کر سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے لیے ٹارگٹ اور حدود متعین کی ہوئی ہوتی ہیں اور اپنی حدود اور دباؤ کے باعث اتنا زیادہ کام ہو جاتا ہے۔

۷۔ **وقفے اور انتظار کے لمحات:** چھوٹے چھوٹے اوقات کو استعمال کرنے کی کوشش کیجیے۔ ہمارے ایک دوست کھانے کی تیاری کے انتظار کے وقت میں اخبارات کے لیے مضامین تحریر کر لیتے تھے۔ ایک اور دوست جو عموماً مشرق وسطی اور مشرق بعید کے بڑے بڑے شہروں کے درمیان سفر کرتے رہتے ہیں، اپنے دوستوں سے رابطہ، لاؤنج کے انتظار کے وقت میں کر لیتے ہیں اور خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ہمارے ایک دوست ہیں جو دوران پرواز ہی اپنی اسلام آباد کی میٹنگوں کی روداد ڈکٹافون میں ریکارڈ کر لیتے ہیں اور بعد میں ان کی سیکرٹری تحریر کر لیتی ہیں۔ ایک اور دوست ہیں جو دفتر اور گھر کے آمد و رفت کے اوقات میں دفتر کے کام، اہم ریویو وغیرہ کر لیتے ہیں۔ ایک اور دوست نے ایک اہم امتحان اپنے گھر اور دفتر کے درمیان روزانہ کے معمول کے سفر کے وقت میں تیاری کر کے پاس کیا۔

۸۔ **بہترین اوقات و یکسوئی:** اپنے بہترین اوقات کا جائزہ لیجیے۔ جن اوقات میں آپ بہت مستعدی کے ساتھ کام کر سکتے ہیں بس ان اوقات میں انتہائی اہم کام کیجیے۔ یہ اوقات بعض حضرات کے لیے صبح کے ابتدائی چار گھنٹے ہوتے ہیں اور بعض کے دیگر۔ اس کے علاوہ اپنے کاموں کی فہرست میں ترتیب کو بدل

بدل کر کرنے کی کوشش کیجیے اور جس ترتیب میں آپ زیادہ مستعدی کے ساتھ کام کر سکیں، اس پر کاربند رہیں۔ "یکسوئی" کے تصور کو سمجھیے اور حاصل کرنے کی کوشش کیجیے۔ صبح کے اوقات کو مت ضائع کیجیے۔ فجر کی نماز باجماعت پڑھیے اور اس کے بعد وقت کو بہتر طور پر استعمال کیجیے۔

۹۔ **فرصت تو مرنے کے بعد ہی مل سکتی ہے:** آپ کبھی بھی اچھے حالات کی توقع میں کام کو ملتوی مت کیجیے۔ اپنے فرائض کو کبھی بھی ملتوی مت کیجیے۔ اپنے عزائم بلند رکھیے۔ ناکامی اور اندھیرے سے مت گھبرائیں۔ ستارے اندھیرے ہی میں چمکتے ہیں۔ بقول فرانسس بیکن: "میں نے دنیا کے عظیم انسانوں کو جھونپڑوں سے نکلتے ہوئے دیکھا ہے"۔ ناکامی سے مایوس مت ہوں۔ تیمور لنگ چیونٹی کی بار بار ناکامی ہی سے کامیابی کے راز سے آشنا ہوا تھا۔

۱۰۔ **ہاں میں کوشش کروں گا:** مشکل کاموں سے جی مت چرایئے اور انھیں ایک طرف مت رکھیے۔ چیلنج کا مقابلہ کرنا سیکھیے۔ ناممکن کو ممکن بنانے کی صلاحیت پیدا کیجیے۔ رابندر ناتھ ٹیگور کا مقولہ ہے: "ڈوبتے ہوئے سورج نے پوچھا: ہے کوئی جو میری جگہ لے۔ ٹمٹماتے ہوئے دیے نے کہا: ہاں میں کوشش کروں گا"۔ کوشش ہماری متاع ہے۔ انسان پر حسن نیت کے ساتھ کوشش ہی فرض ہے۔ کسان بیج ڈال کر زمین کی دیکھ بھال کی کوشش ہی کرتا ہے۔ باران اور تپش کا انتظام تو انسانی وسائل سے ماورا ہے۔ ایک بس کے پیچھے تحریر تھا: "محنت تیری جاگیر ہے"۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جن کے پاس زمین اور جائدادیں نہ ہوں ان کی جاگیر تو محنت ہی ہے۔

۱۱۔ **روزانہ کا ٹارگٹ:** اپنی شخصیت کا معمول بنا لیجیے کہ روزانہ تین اہم کام کرنے ہیں، بلکہ روزانہ کی فہرست میں ترجیحات کے تحت تین اہم کاموں کو پہلی ترجیح دیجیے۔ پھر روزانہ ایک نیکی تو ضرور کیجیے، کسی نہ کسی انسان کے کام آ جایئے۔ کسی کا دل خوش کر دیجیے۔

۱۲۔ **کام کا انتخاب:** عمومی کاموں میں اپنے آپ کو زیادہ مت تھکائیں۔ قوتیں اور صلاحیتیں زیادہ اہم کاموں کے لیے بھی استعمال ہونی چاہییں۔

۱۳۔ **موقع کا انتخاب:** اپنی زندگی میں ایسے اوقات کی تلاش کیجیے جن میں آسانی ہو، راستے میں بھیڑ کم ہو، سگنل سرخ نہ ہوں، ٹریفک میں اوور ٹیکنگ کم ہو، اور منزل آسانی سے حاصل ہو جائے۔ کوشش کیجیے اور اللہ سے دعا بھی کیجیے کہ آیندہ آنے والے معاملات اور مراحل خوش گوار ہوں اور خوش اسلوبی سے طے ہو جائیں۔ گھر اور دفتر کے لوگ، راستے اور سڑکیں سب آپ کے لیے معاون ہوں۔ گھر اور دفتر کے در و دیوار ہمارے لیے باعث سکون ہوں۔ ہمارے گھر کی تازہ روٹی غریبوں کو جائے اور سوکھی روٹی بھیڑ بکریوں اور دریا و سمندر کی مچھلیوں کو، تاکہ یہ سب ہمارے لیے دعا کریں۔

۱۴۔ **امور کی تفویض:** ہم اپنے فریضے سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے جب تک کہ ہم اپنے دفتر کے ساتھیوں

اور ماتحت افراد کو تیار نہ کرلیں۔ اپنی شخصیت میں جرات پیدا کیجیے۔ دوسروں کو کام تفویض کیجیے اور انھیں سکھایئے مگر کنٹرول اپنے ہاتھ میں رکھیے۔ دفتر میں اور کاروبار میں جن جن لوگوں میں سستی و کاہلی ہو، اسے دور کرنے کی کوشش کیجیے بہتر طریقے سے، حفظ مراتب اور عزت نفس کو ملحوظ رکھتے ہوئے۔ اس معاملے میں گفتگو کیجیے۔ اپنی شخصیت میں افراد کے ساتھ مل کر کام کرنے کی صلاحیت پیدا کیجیے۔

۱۵۔ **حقوق نفس:** اپنی تفریح کے اوقات کو پہچانیے اور ان اوقات میں تفریح ضرور کیجیے، ملتوی نہ کرتے رہیے اپنے آپ کو تازہ دم ضرور کیجیے۔ کولھو کے بیل مت بنیے۔ شخصیت میں ہمہ جہتی توازن پیدا کرنے کے پہلے جو چیزیں ضروری ہیں، ان پر عمل کیجیے۔

۱۶۔ **اپنی آخرت کی فکر:** دوسروں کی دنیا بنانے کے لیے اپنی آخرت مت تباہ کیجیے۔ دوسروں کے معاملات میں اتنے بھی مت جایئے کہ اپنے آپ کو فراموش کر دیں۔

۱۷۔ **تکمیل پر خوشی کا اظہار:** جب آپ کوئی اہم کام کرلیں تو خوشی منایئے۔ دفتر میں ایسے مواقع پر تقریبات کا اہتمام کیجیے۔ ایسے موقع پر مٹھائی بھی تقسیم کریں۔ جب گھر کی صفائی یا کوئی اہم کام کرلیں تو اہل خانہ کو بھی اپنی خوشی میں شریک کیجیے۔

۱۸۔ **ابھی ورنہ پھر کبھی نہیں:** تساہل کو دور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ "ابھی ورنہ پھر کبھی نہیں" کے اصول پر عمل کریں۔

۱۹۔ **استغفار:** اپنے اب تک کے معاملات میں استغفار کرنا چاہیے۔ گناہوں سے توبہ کرنی چاہیے۔ معاملے اور حالات کی سازگاری کی دعا کرنی چاہیے۔ ہمارے دین میں نمازوں کے اوقات، ترتیب، ذمے داریوں کا احساس اور نماز تہجد وغیرہ ایسے امور ہیں جن کے باعث تساہل کی گنجایش ہی نہیں رہتی۔ اس کے علاوہ خوف خدا، تقویٰ، احتساب، انسان کو تساہل سے بچاتے ہیں اور انسان کی حفاظت ہوتی رہتی ہے اور مدد جاری رہتی ہے۔

۲۰۔ **جنازے میں شرکت:** جنازوں میں شرکت کیجیے اور احساس رکھیے کہ کل آپ بھی اسی طرح لوگوں کے کندھوں پر ہوں گے۔ زیارت قبور کا اہتمام کیجیے اور مٹی کے پتلے کے مٹی بننے کے بارے میں سوچیے۔ یہ دونوں چیزیں آپ میں ترجیحات کا احساس پیدا کریں گی۔ جب آپ آج کے دن کو زندگی کا آخری دن محسوس کرنے لگیں گے تو آپ کی قوت عمل تیز ہو جائے گی اور آپ زیادہ تیزی کے ساتھ اپنی ذمے داریوں سے عہدہ برآ ہو سکیں گے۔ لیکن اس معاملے میں اپنی صحت اور توانائی کا خیال رکھیے۔

۲۱۔ **دعائیں:** اپنے لیے صبح و شام میں چند لمحے، دعاؤں کے لیے مخصوص کرلیں، چند مسنون دعائیں یاد کر لیں اور ان کا اہتمام کریں:

○ اے اللہ، میں غم و فکر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ بے چارگی اور کاہلی سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

بخل اور بزدلی سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور قرض کے غلبے اور لوگوں کے تسلط سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں۔

○ اے اللہ! میرے رزق میں برکت دے۔

○ اے میرے پروردگار! میری مدد فرما اور میرے خلاف کسی کی مدد نہ کر اور مجھے فتح عنایت فرما اور مجھ پر کسی کو فتح نہ دے۔ میرے لیے تدبیر فرما' اور میرے خلاف کسی کی تدبیر نہ کر اور مجھے ہدایت فرما اور میرے لیے راہ راست پر چلنا آسان کر دے۔ اور مجھ پر زیادتی کرنے والے کے خلاف میری مدد فرما۔ یااللہ مجھے اپنا شکر گزار بنا' اپنا ذکر کرنے والا بنا' اپنے سے ڈرنے والا بنا' اپنا فرمانبردار بنا' اپنی طرف عاجزی کرنے والا' زاری کرنے والا اور رجوع کرنے والا بنا۔ اے میرے پروردگار' میری توبہ قبول کر لے' میرے گناہوں کو دھو ڈال' میری دعا قبول فرما' میری دلیل اور حجت کو ثبات بخش' میری زبان کو سچا بنا اور میرے دل کو ہدایت دے اور میرے سینے کی سیاہی نکال دے۔ (الحزب الاعظم)

○ اے اللہ' میں تجھ سے طلب کرتا ہوں آج کے دن کی خیر (و خوبی)' اور جو آج کے دن میں (پیش آنے والا) ہے اس کی خیر (و خوبی)' اور جو آج کے بعد (پیش آنے والا) ہے اس کی خیر (و خوبی) اور میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں آج کے دن کے شر سے اور جو آج کے دن میں (پیش آنے والا) ہے' اس کے شر سے اور جو آج کے بعد (پیش آنے والا) ہے اس کے شر سے۔

○ اے اللہ' اگر تو جانتا ہے کہ مجھ سے سرزد ہونے والی میری تمام حرکات و سکنات (چلنا پھرنا' اٹھنا بیٹھنا' آنا جانا) آج کے دن میں میرے حق میں بہتر ہیں تو' تو ان کو میرے لیے مقدر کر دے اور ان کو میرے لیے آسان کر دے اور اگر تو جانتا ہے کہ وہ میرے حق میں شر اور ضرر رساں ہیں تو ان کو مجھ سے دور رکھ اور مجھے ان سے دور رکھ۔

۲۲۔ **ھشیار بنیے' دور اندیش بنیے**: ایک صحابیؓ نے عرض کیا: "اے پیغمبرؐ بتلایئے کہ آدمیوں میں کون زیادہ ہشیار اور دور اندیش ہے"۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: "وہ جو موت کو زیادہ یاد کرتا ہے اور موت کے لیے زیادہ سے زیادہ تیاری کرتا ہے۔ جو لوگ ایسے ہیں وہی دانش مند اور ہشیار ہیں۔ انھوں نے دنیا کی عزت بھی حاصل کی اور آخرت کا اعزاز و اکرام بھی"۔ (معجم الصغیر' طبرانی)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص ڈرتا ہے وہ شروع رات میں چل دیتا ہے اور جو شروع رات میں چل دیتا ہے' وہ عافیت کے ساتھ اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ یاد رکھو اللہ کا سودا سستا نہیں' بہت مہنگا اور قیمتی ہے۔ یاد رکھو اللہ کا وہ سودا جنت ہے"۔ (ترمذی)

پہلی اور دوسری قسط کا کتابچہ **سستی و کاہلی: اسباب و علاج** کے عنوان سے دستیاب ہے۔ ۱۵۰ روپے سیکڑہ۔ منشورات' منصورہ' لاہور

حضرت حسنؓ بن علی بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول یاد رکھا ہے:
جو چیز تمہیں شک میں مبتلا کرے اسے چھوڑ کر وہ چیز اختیار کرو جو تمہیں شک میں مبتلا نہ کرتی ہو۔ اس لیے کہ سچائی دل میں اطمینان پیدا کرتی ہے اور جھوٹ دل میں کھٹک پیدا کرتا ہے (ترمذی)

آپ کی پیاری بیٹی
اس کی دینی و اخلاقی تربیت ہمارا فریضہ ہے۔
اس کی تعلیم اور تفریح طبع ہمارا فرض ہے۔

بچیوں کا واحد معیاری اور اصلاحی مجلہ

سہیلی میگزین

قیمت فی شمارہ ۔ 6 روپے۔

☆ سیرت صحابیات ☆ آداب زندگی ☆ جہاد کشمیر
☆ سبق آموز اور اصلاحی کہانیاں اور نظمیں
☆ رنگ حنا ☆ کھانا پکانا ☆ معلومات کی دنیا
☆ سائنس کارنر ☆ مزاح اور بے شمار سلسلے

سالانہ خریداری ۔ 60 روپے۔ دو سالہ ۔ 100 روپے' پانچ سالہ ۔ 200

سہیلی میگزین P-88' سکیم نمبر 1/212' ڈجکوٹ روڈ فیصل آباد
فون۔ 645429

قانون سازی کے قرآنی اصول

ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی

(تیسری اور آخری قسط)

۶۔ اگر میاں بیوی میں باہمی اختلافات رونما ہو جائیں تو انھیں خوش اسلوبی سے طے کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے اور اس امر کی اجازت نہیں دی گئی کہ ایک دوسرے پر بے سروپا الزامات عائد کیے جائیں یا کسی فریق کو ناجائز تنگ کیا جائے۔

ارشاد ربانی ہے: "جن عورتوں کے بارے میں تمھیں معلوم ہو کہ سرکشی اور بدخوئی کرنے لگی ہیں تو پہلے ان کو زبانی سمجھاؤ اگر نہ سمجھیں تو پھر ان کے ساتھ سونا ترک کر دو۔ اگر اس پر بھی باز نہ آئیں تو ہلکی بدنی سزا دو اور اگر فرماں بردار ہو جائیں تو پھر ان کو ایذا دینے کا کوئی بہانہ نہ ڈھونڈو۔ بے شک اللہ سب سے اعلیٰ اور جلیل القدر ہے۔ اور اگر تم کو معلوم ہو کہ میاں بیوی میں ان بن ہے تو ایک منصف مرد کے خاندان سے اور ایک منصف عورت کے خاندان سے مقرر کرو۔ اگر وہ صلح کرا دینی چاہیں گے تو خدا ان میں موافقت پیدا کر دے گا (النساء ۴: ۳۴-۳۵)۔

"اور اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کی طرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو تو میاں بیوی پر کچھ گناہ نہیں کہ آپس میں کسی قرارداد پر صلح کر لیں اور صلح خوب چیز ہے اور طبیعتیں تو بخل اور لالچ کی طرف مائل ہوتی ہیں۔ لیکن اگر تم حسن سلوک کرو اور بخل اور لالچ سے بچو تو اللہ تعالیٰ تمھارے کاموں سے باخبر ہے" (النساء ۴: ۱۲۸)۔

۷۔ نیکو کار مردوں اور عورتوں کے باہمی رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کی حوصلہ افزائی کی ہے اور بتایا ہے کہ اچھے، اچھوں سے اور برے، بروں سے وابستہ ہوتے ہیں۔ گندی عورتیں گندے مردوں کے لیے ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لیے اور پاکباز عورتیں پاکباز مردوں کے لیے ہیں اور پاکباز مرد پاکباز عورتوں کے لیے (النور ۲۴: ۲۶)۔

۸۔ معاشرے میں پاکیزہ ماحول پیدا کرنے کے لیے بے حیائی کی اشاعت اور فحاشی کے پرچار کو انتہائی قابل مذمت اور قابل تعزیر جرم قرار دیا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ (النور ۲۴:۱۹)۔ "بے شک جن لوگوں کو یہ پسند ہے کہ اہل ایمان میں فحاشی پھیلے ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے"۔

۹۔ مردوں اور عورتوں دونوں کو اپنے قلب و نگاہ کو پاک رکھنے، اپنی وضع قطع، طور اطوار، نشست و برخاست اور چال چلن اس انداز سے رکھنے کا حکم دیا کہ اس سے پاکبازی مترشح ہو اور کسی بیمار دل میں کسی طرح کی ہوس پیدا نہ ہو۔ "اے نبیؐ! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ باہر نکلیں تو اپنی چادر لٹکا لیا کریں" (الاحزاب ۳۳:۵۹)۔

اس سلسلے میں قرآنی ہدایات کے لیے ان آیات کا مطالعہ کریں: النور ۲۴:۳۰، الاحزاب ۳۳:۳۲، المومن ۴۰:۱۹۔

۱۰۔ عزت و آبرو کے تحفظ کے لیے تمام تر انتظامات کرنے کے بعد اس امر کی گنجایش بہت کم رہتی ہے کہ لوگ جنسی بے راہ روی کا شکار ہوں یا معاشرے میں آوارگی اور بے حیائی کا چلن عام ہو جائے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی بدکاری کا ارتکاب کرتا ہے تو بدکاری کا ارتکاب کرنے والی عورت اور مرد دونوں کے لیے کوڑوں کی سزا مقرر کی گئی۔

"بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والا مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو درے مارو۔ اگر تم خدا اور آخرت پر یقین رکھتے ہو تو تمھیں ان پر ہرگز ترس نہیں آنا چاہیے اور چاہیے کہ ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت بھی موجود ہو" (النور ۲۴:۲)۔

۱۱۔ خواتین کا احترام مردوں کی بہ نسبت زیادہ ہے اور ان پر لگایا گیا الزام نہ صرف ان کی زندگی برباد کرنے کا باعث ہوتا ہے بلکہ ان خواتین کی اولاد کی صحت نسبت کے بارے میں بھی شک و شبہ پیدا کرتا ہے، اس لیے ایسے الزام عائد کرنے والوں کی الگ سے سزا مقرر کی گئی۔

"جو لوگ پاکباز عورتوں پر بدکاری کا الزام لگائیں اور اس پر چار گواہ نہ لائیں تو ان کو اسی درے مارو اور کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو۔ یہی لوگ بدکردار ہیں"۔

سو عزت و آبرو اور ناموس کو لاحق ہونے والے ضرر کے ازالہ کے لیے قرآن حکیم نے مکمل قانون دیا ہے۔

تحفظ دین

اوپر ہم بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کے ساتھ ہی اس کی ہدایت کا اہتمام فرمایا۔ جو صداقت حضرت آدم علیہ السلام کے دور سے شروع ہوئی اس کی حقیقت کبھی نہیں بدلی۔ اس کے ضروری

اجزا (توحید' رسالت اور معاد) ہر دور اور ہر زمانہ میں محفوظ رہے۔

تمام انبیا کرام دین کے تحفظ کے لیے مبعوث کیے گئے۔ دین کی اس اہمیت کے باوجود کہ قرآن حکیم نے صراحت سے کہا ہے: وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ (آل عمران ۳:۸۵) "جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی دین اختیار کرے گا تو وہ قبول نہیں کیا جائے گا"۔ اس امر کا اہتمام کیا گیا ہے کہ دین کی اشاعت' دعوت و تبلیغ کے ذریعے ہو کسی فرد کو زبردستی دین قبول کرنے پر مجبور نہ کیا جائے۔ ارشاد ربانی ہے: لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ (البقرہ ۲:۲۵۶) "دین کے بارے میں زبردستی نہیں ہے"۔

دین کی تفہیم کے لیے قرآن حکیم نے آفاق و انفس سے بے شمار دلائل دیے ہیں جن سے توحید باری تعالیٰ' حقانیت' نبوت و رسالت اور امکان معاد پر سیر حاصل روشنی پڑتی ہے۔ اسی کو قرآن کہتا ہے: سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ (حم السجدہ ۴۱:۵۳)۔ "عنقریب ہم ان کو خارج کی دنیا میں اور نفس انسانی کے اندر ایسے حقائق سے آشنا کریں گے جن سے ان پر واضح ہو جائے گا کہ قرآن حکیم سچی کتاب ہے"۔

نظریات کے تحفظ کے لیے دوگونہ عمل کی ضرورت ہوتی ہے۔

۱۔ نظریات کا پرچار' ۲۔ ان کے مقابلے میں پیش آمدہ چیلنجوں کا مقابلہ۔

چنانچہ دین جو ابدی حقائق پر مشتمل نظریات کے مجموعے کا نام ہے اس کے تحفظ کے لیے ان دونوں امور کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔

نظریات کی دعوت و تبلیغ کے لیے یہ ضروری قرار دیا گیا کہ پوری امت مسلمہ اسلامی افکار کی تبلیغ کو اپنا مقصد تخلیق سمجھتے ہوئے انجام دے۔ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ (آل عمران ۳:۱۱۰) "تم بہترین امت ہو جسے اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ اچھی باتوں کا حکم دو' برائیوں سے روکو اور اللہ پر ایمان لاؤ"۔

لیکن نظم و نسق کا اصول یہ ہے کہ جب کوئی کام سب کے سپرد کر دیا جائے تو اس امر کا امکان ہوتا ہے کہ کوئی بھی نہ کرے اور ہر شخص یہ سوچے کہ شاید دوسرا اسے انجام دے دے گا۔ اس لیے اس امکان کو ختم کرتے ہوئے ضروری قرار دیا کہ ایک جماعت اس کام کے لیے مختص ہونی چاہیے۔ وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (آل عمران ۳:۱۰۴) "تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بھلائی کی طرف بلائے' اچھے کاموں کا حکم دے اور برائیوں سے روکے جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے"۔

دوسری طرف تحفظ دین کے لیے قتال مشروع قرار دیا گیا۔ جب خارجی طور پر دین کو خطرات لاحق ہوں یا کچھ قوتیں عام لوگوں کے دین قبول کرنے کی راہ میں حارج ہوں اور دین کو ختم کرنے کے درپے ہوں تو

انھیں راہ سے ہٹانا اسی طرح ضروری ہے جیسے انسانی بدن کے کسی ایک حصے کو آپریشن کے ذریعے کاٹ پھینکنا ضروری ہوتا ہے جو خود اس حد تک گل سڑ گیا ہو کہ اس کے صحت یاب ہونے کی کوئی امید نہ ہو اور اس کی وجہ سے بدن کے دوسرے حصوں میں زہر پھیلنے کا امکان ہو۔

تحفظ عقل

انسان محض عقل کی وجہ سے دوسرے حیوانات سے ممتاز ہے۔ انسانی عقل جزئی واقعات سے کلیات اور فارمولے بناتی ہے اور یہ معلومات ایک نسل دوسری نسل کو منتقل کرتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ انسانی تمدن مسلسل ارتقا پذیر ہے۔

انسانی عقل کے تحفظ کے لیے قرآن حکیم نے یہ اہتمام کیا ہے کہ انسان کو حصول علم کی طرف متوجہ کیا جائے۔ چنانچہ جو پہلی وحی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اس میں ایمان لانے کا مطالبہ نہیں کیا گیا بلکہ قرآن نے سب سے پہلا حکم یہ دیا: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۔ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ۔ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۔ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ۔ (العلق ۹۶:۱-۵) "پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا' انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا' پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا' انسان کو نامعلوم حقائق سے آشنا کیا"۔

ان ابتدائی پانچ آیات میں تین بنیادی امور کی طرف انسان کو متوجہ کیا گیا:

۱۔ جو کچھ اس سے پہلے لکھا گیا ہے اسے پڑھے۔
۲۔ جو نئی باتیں اس نے سیکھی ہیں انھیں آیندہ نسل کے لیے لکھ لے۔
۳۔ معلوم حقائق کے ذریعے نامعلوم حقائق کی دریافت کرے۔

لکھنا' پڑھنا اور تحقیق یہی وہ تین چیزیں ہیں جو انسانی عقل کو جلا بخشتی ہیں۔ علم ہی ایک ایسا امتیازی وصف ہے جس کی بدولت آدم کو خلافت ارضی کی خلعت نصیب ہوئی اور علم نے ہی انسان کو اس قابل بنایا کہ وہ کائنات کی تسخیر کر سکے۔

عقل انسانی کے تحفظ کے لیے سلبی اہتمام یہ کیا گیا کہ ایسی تمام اشیا کا استعمال ممنوع قرار دیا گیا جن سے عقل انسانی پر پردہ پڑ جائے اور وہ کام کرنا چھوڑ دے۔ ارشاد نبویؐ ہے: "ہر نشہ آور چیز حرام ہے"۔ (ابوداؤد)

۸۔ معقولیت

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو عقل کے ذریعے دوسری مخلوق سے ممیز کیا اور انسان کو مکلف بنایا۔ گویا انسان کو احکام الٰہی کی بجاآوری کی ذمہ داری اس وجہ سے دی گئی کہ یہ عقل و خرد رکھتا ہے' صحیح اور غلط میں امتیاز کر سکتا ہے' نفع اور نقصان جان سکتا ہے اور اچھائی اور برائی میں فرق کر سکتا ہے۔ جب اللہ کا انسان سے

خطاب محض اس وجہ سے ہے کہ وہ عقل و خرد کی حامل مخلوق ہے تو اس کا لازمی تقاضا ہے کہ خطاب خداوندی سراسر مطابق عقل ہو تاکہ اس کی صحت جاننے میں انسان کو وقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

انسانی تاریخ کے مختلف ادوار میں جب بھی اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوئی تو اس نے محض عقلی اور استدلالی بنیادوں پر انسانوں سے خطاب کیا اور اپنی صداقت منوانے کے لیے منطقی، آفاقی، انفسی، تاریخی اور سائنسی دلائل دیے اور کبھی یہ مطالبہ نہیں کیا کہ بے سوچے سمجھے وحی کی صداقت کو تسلیم کرلیا جائے۔

اس بات کا فیصلہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اسلام کی صحیح اور سچی تشریح کو پرکھنے کے لیے کوئی اصول وضع کریں اور اس کی کوئی خصوصیات معین کریں۔ اس کے بعد ہم آسانی سے کہہ سکیں گے کہ اسلام کی جو تشریح ان اصولوں کے مطابق ہے یا ان خصوصیات سے بہرہ ور ہے، وہی صحیح ہے اور باقی سب غلط ہیں۔

خوش قسمتی سے قرآن ہمیں خود بتاتا ہے کہ قرآن کی صحیح اور سچی تشریح کی علامات اور خصوصیات کیا ہوتی ہیں اور انہیں کیونکر پرکھا جا سکتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ اگر وہ خدا کی طرف سے نہ ہوتا تو اس میں کثرت سے اختلاف ہوتا۔ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (النساء ۴:۸۲) "اگر قرآن غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو وہ یقیناً اس کے اندر بیانات کا اختلاف پاتے"۔

بیانات کے اختلافات ہمیشہ عقلی اختلافات ہوتے ہیں کیونکہ عقل ہی ان کو معلوم کرتی ہے لہٰذا ظاہر ہے کہ اس آیت میں اختلافات سے مراد عقلی تضاد ہے۔ گویا قرآن حکیم نے بتایا ہے کہ اس میں عقلی اور منطقی تضاد نام کی کوئی شے نہیں ہے۔ وہ ایسی صداقتوں کی تعلیم دیتا ہے جو عقلی طور پر ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں۔

اسلامی احکام تمام تر حکمت و دانش کے ساتھ وابستہ ہیں۔ قرآن حکیم کی آیت: وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (البقرہ ۲:۲۶۹) "اللہ تعالیٰ جس سے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے" اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ دین کی سمجھ ایک ایسی اہم چیز ہے جو ہر کسی کو عطا نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ احکام شرعیہ میں کوئی مصلحت اور حکمت نہیں ہوتی۔ شریعت کی پابندی کا مقصد محض بندے کی اطاعت شعاری کا امتحان ہے اور بس۔ لیکن شاہ ولی اللہ جنھوں نے اسرار شریعت کو اپنا خاص موضوع تحقیق بنایا ہے اس سے انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ خیال غلط ہے۔ سنت اور خیر القرون کا اجماع اس خیال کو غلط قرار دیتے ہیں۔

قرآن حکیم کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حکیم نے اپنے خطاب کی بنیاد ہی عقل کو بنایا اور احکام الٰہی انھی لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو عاقل ہیں۔ قرآن حکیم نے تمام اسلامی احکام کو عقلی حوالوں اور منطقی دلائل سے سمجھانے کی کوشش کی ہے مثلاً توحید کا عقیدہ وہ بنیادی عقیدہ ہے جس پر دین کی تمام عمارت کی بنیاد کھڑی ہے اور اس عقیدے پر کسی طرح کی کوئی مفاہمت ممکن نہیں۔ اس کے باوجود

قرآن حکیم نے اس عقیدے کی تفہیم کے لیے ہر طرح کے عقلی دلائل دیے۔ یہاں تک کہ اس فرضیہ کا کہ اگر کائنات میں ایک سے زائد خدا ہوں، تجزیہ کیا اور بتایا کہ اسے درست ماننے کی صورت میں نظام کائنات درہم برہم ہو جائے گا۔

قرآن حکیم نے تفکر، تدبر اور تعقل کی بار بار دعوت دی۔ ایک ذرے سے لے کر آفتاب تک کائناتی امور کے مشاہدے کا حکم دیا۔ اجرام فلکی جس خاموشی اور تیز رفتاری کے ساتھ آسمانوں پر اپنے مقررہ راستوں پر رواں دواں ہیں، بارش سوکھی زمین کی پیاس بجھانے کے لیے برستی ہے، جہاز جو سمندروں کا سینہ چیرتے ہوئے گزرتے ہیں اور انسانوں کی بہبود کی اشیا سے لدے ہوئے ہیں، کھجور کے درخت اپنے سنہرے پھل سے جھکے پڑے ہیں، کائنات کی یہ تنظیم کیا پتھر کے خداؤں کا کارنامہ ہو سکتا ہے؟ اگر یہ سب کچھ ایک قادر و قیوم ذات کی تخلیق ہے اور اس نے اسے بے مقصد نہیں پیدا کیا تو کیسے ممکن ہے کہ اس نے انسانوں کو جو احکام دیے وہ بے مقصد ہوں، ان کے پیچھے کوئی حکمت و دانش نہ ہو، ان میں باہمی کوئی ربط و تنظیم نہ ہو۔ ان میں منطقیت اور معقولیت عنقا ہو۔ ارشاد ربانی ہے: وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ۔ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (الدخان ۴۴:۳۸-۳۹) "ہم نے زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، کھیل تماشے کے لیے پیدا نہیں کیا۔ ہم نے انھیں حق کے ساتھ تخلیق کیا ہے لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے"۔

داخلہ برائے ایف اے، ایف ایس سی
23 جولائی سے شروع
مضامین: پری میڈیکل، پری انجینئرنگ، جنرل سائنس اور آرٹس

☆ تعلیم کے ساتھ تربیت کا منفرد ماحول
☆ این۔سی۔سی کی سہولت
☆ ہاسٹل کی سہولت
☆ سائنس مضامین کی تدریس بذریعہ پروجیکٹر
☆ قائدانہ صلاحیتوں کی نشوونما
☆ کشادہ اور شاندار کیمپس
☆ انفرادی توجہ اور مشاورتی رہنمائی

منفرد سکالر شپ سکیم
650 سے زائد نمبر لینے والے طلباء کے لیے خصوصی وظائف

نوٹ: امسال آئی کام کی کلاسیں بھی متوقع ہیں۔

منصورہ ماڈل ڈگری کالج (لاہور بورڈ سے الحاق شدہ)
وحدت روڈ، نزد چونگی ملتان روڈ، لاہور۔ فون: 5220428, 5419324

اسلامی بنک کاری: اکیسویں صدی کا چیلنج

پروفیسر خورشید احمد

ترجمہ: میاں محمد اکرم

اسلامی بنک کاری آج ایک حقیقت بن چکی ہے۔ جدید اداروں اور روایات کے حوالے سے اسلامی نظریات کے عملی شکل اختیار کرنے کی یہ ایک مثال ہے۔

۱۹۷۵ کا سال بجا طور پر دنیا بھر میں اسلامی بنک کاری کی تحریک کے وجود میں آنے کا سال قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس سے پہلے عشروں تک فکری کام ہوتا رہا اور ۶۰ کے عشرے اور ۷۰ کے اوائل میں آغاز کار کے لیے بنیادی کام کیے گئے۔ دبئی میں دبئی اسلامک بنک اور جدہ میں اسلامی ترقیاتی بنک (IDB) کے قیام نے اسلامی بنک کاری کو تخیل کی دنیا سے نکال کر پختہ اور عملی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔ اس وقت سے دنیا کے مختلف حصوں میں اسلامی بنک اور مالیاتی ادارے وجود میں آ چکے ہیں۔ کئی اسلامی ممالک نے اپنے بنک کاری نظام کو غیر سودی اور شرعی بنیادوں پر استوار کرنے کا آغاز کیا ہے۔

پاکستان، ایران اور سوڈان میں روایتی بنک کاری کو اسلامی بنک کاری میں تبدیل کرنے کے لیے کام کیا گیا ہے جب کہ دوسرے مسلم ممالک مثلاً ملائشیا، متحدہ عرب امارات، کویت، ترکی، مصر، الجزائر، تیونس اور قازقستان وغیرہ میں نجی شعبہ میں اسلامی بنک کاری اور مالیاتی اداروں کے قیام کے لیے تجربات کیے جا رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ کچھ غیر مسلم ممالک مثلاً امریکہ، برطانیہ، سوئٹزرلینڈ، ڈنمارک اور لکسمبرگ میں بھی ایسے ہی ادارے اور پراجیکٹ کام کر رہے ہیں۔ اس وقت دنیا کے تیس ممالک میں ایسے تقریباً دو سو بنک کام کر رہے ہیں، جن کے ڈپازٹ کی مالیت ۸۰ ملین ڈالر ہے۔ ایک حالیہ جائزے کے مطابق کویت اور خلیجی علاقوں میں غیر سودی بنک اور مالیاتی ادارے پورے مالیاتی شعبہ کے دس فی صد کے برابر ہیں اور توقع ہے کہ اکیسویں صدی کے آغاز پر یہ شرح دوگنی سے زیادہ ہو جائے گی۔ غیر سودی بنک کاری کی بڑھتی ہوئی طلب کے پیش نظر بہت سے سودی کاروبار کرنے والے بنکوں نے بھی غیر سودی کاؤنٹر کھول لیے ہیں اور غیر سودی بنیادوں پر سرمایہ کاری کے منصوبے تجویز کر رہے ہیں۔ بیسویں صدی کے آخری ربع میں اسلامی بنک کاری،

بنک کاری کے شعبہ میں متعارف ہونے والا جدید رجحان ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ جدید رجحان غیر سودی اور شراکتی بنیادوں پر قائم مالیاتی اداروں کے ذریعے مستقبل میں کیا کردار ادا کر سکے گا۔

اس وقت دنیا کی آبادی کا پانچواں حصہ مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ مسلمانوں کی ۵۴ آزاد ریاستیں ہیں جو دفاعی نقطۂ نگاہ سے دنیا کے سب سے اہم علاقوں پر محیط ہیں۔ مسلمانوں میں اپنی سماجی و معاشی زندگی کو اپنے ایمان کے تقاضوں کے مطابق گزارنے کا شعور ترقی پا رہا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ امت مسلمہ میں یک جہتی ہو اور وہ مضبوط ہو۔ یہ شعور' نفاذ اسلام کی تحریک کی صورت میں ہر طرف موجود ہے۔ اسلامی بنک کاری کی تحریک بھی اسی ہمہ گیر تحریک بیداری کا ایک جزو ہے۔ اسلامی بنک کاری کی طلب اور اس کے لیے آمادگی کی واحد وجہ مذہب سے وابستگی نہیں ہے' تاہم یہ اس کی ایک بڑی وجہ ضرور ہے۔ دوسری طرف اسلامی بنک کاری کے اصولوں کو اپنانے کی راہ میں جلب زر اور طلب منافع کی ہوس کا موجودہ ماحول مسلم بنک کاروں کے لیے شدید مشکلات پیدا کرتا ہے۔

اسلامی بنک کاری کے اصولوں کی قبولیت عامہ کی ایک بڑی وجہ قرضہ جاتی سرمایہ (debt capital) کے مقابلے میں شراکتی سرمایہ کی فوقیت ہے۔ مثال کے طور پر ۸۰ کے عشرے میں قرضوں کے بحران (debt crises) سے بچنا اسی صورت میں ممکن تھا کہ ترقی پذیر ممالک "شراکتی سرمایہ" کو "قرضہ جاتی سرمایہ" پر ترجیح دیتے۔ کیونکہ اقتصادی طور پر خراب سالوں کی ادائیگیاں اچھے سالوں (good years) میں کی جا سکتی تھیں جب کہ قرضہ جاتی سرمایہ کی صورت میں ایسا نہیں ہوتا کیونکہ اس صورت میں مقررہ ادائیگیاں (fixed charges) اچھے یا خراب دونوں طرح کے سالوں میں بہرطور کرنا پڑتی ہیں۔

بیسویں صدی کے معاشی نظریات اور تجربات کے چیلنجوں کے جواب میں مسلمان معیشت دانوں اور بنک کاروں کی طرف سے اسلامی بنک کاری کا آغاز ایک تخلیقی اور تحقیقی جواب ہے۔

نو آبادیاتی نظام کے خاتمے اور دنیا بھر میں گذشتہ پچاس برسوں میں ایک سو چالیس سے زائد ممالک اور ریاستوں (جن میں پچاس سے زائد مسلم ممالک شامل ہیں) کے قیام کے باوجود مغرب کی سیاسی اور معاشی بالادستی اب تک قائم ہے۔ برطانوی اور مغل ہندستان انیسویں صدی کے آغاز پر فی کس صنعتی پیداوار اور فی کس آمدنی کے لحاظ سے مساوی سطح پر تھے' جب کہ ترکی تاریخ کے اس مرحلے پر زیادہ تر یوروپی ممالک اور امریکہ کے مقابلے میں زیادہ خوشحال اور ٹیکنالوجی کے میدان میں آگے تھا لیکن اب بیسویں صدی کے اختتام پر صورت حال بہت مختلف ہے۔ آج دنیا کا معاشی نظام تئیس مغربی ممالک کنٹرول کرتے ہیں اور اپنے مفاد میں چلاتے ہیں۔ دنیا کی آبادی کا امیر ترین ۱۶ فی صد حصہ دنیا کی کل دولت کے ۸۴ فی صد حصے سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ ورلڈ فیڈریشن آف یونائیٹڈ نیشنز ایسوسی ایشن کے سابق سیکرٹری جنرل کے الفاظ میں: "شمال

(North) کی بیس فی صد اقلیت' دنیا کی خام قومی پیداوار (GNP) کا ۸۲٫۷ فی صد' کل تجارت کا ۸۱٫۲ فی صد' داخلی سرمایہ کاری کا ۸۰٫۵ فی صد اور تحقیق و ترقی کا ۹۴ فی صد کنٹرول کرتی ہے۔(۱)

اقوام متحدہ کے ترقیاتی مطالعہ (UN Development Studies) کے مطابق ترقی پذیر ممالک کو ہر سال شمال کی طرف سے ان کی پیداوار پر عائد تحفظاتی اور امتناعی رکاوٹوں کے باعث پانچ سو ارب ڈالر کا نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ ممالک اپنے اوپر قرضوں پر سود کی شرحوں کے حوالے سے دباؤ اور شمال اور جنوب میں پائے جانے والے دیگر ڈھانچہ جاتی (structural) فرق کی بنا پر بھی نقصان اٹھاتے ہیں۔ اس پر مستزاد پانچ سو کے لگ بھگ کثیر القومی کمپنیاں ہیں جو عالمی تجارت کا ۵۰ فی صد کنٹرول کرتی ہیں۔ جنوب (جو کہ تیسری دنیا اور مسلم ممالک پر مشتمل ہے) میں سیاسی و معاشی بحران ان ممالک کی طرف سے مغرب کی قومی ریاستوں کے ماڈل کی پیروی کی وجہ سے مزید گہرا ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں یہ ممالک علاقائی جھگڑوں' نسلی عصبیتوں اور معاشرتی تناؤ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس معاشی منظر کو ایک اور چیز جو بھیانک بناتی ہے وہ چھوٹے پیداکاروں (producers) اور تاجروں کو جو کہ تیسری دنیا کے اکثر ممالک کی معیشتوں میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں' نظرانداز کرنا ہے۔

اب ایک ایسی دنیا وجود میں آ چکی ہے' جس میں اونچ نیچ ہے' جیسا کہ پال کینیڈی Preparing For the Twenty First Century میں لکھتا ہے: "ترقی پذیر ممالک کے مقابلے میں دنیا کے ترقی یافتہ شمالی علاقے' دنیا کے وسائل میں سے فی کس زیادہ حصے پر قابض ہیں کیونکہ وہ بہت زیادہ صرف کرتے ہیں۔ امریکہ دنیا کی کل آبادی کا چار فی صد ہے لیکن دنیا کی تیل کی سالانہ پیداوار کا ایک چوتھائی استعمال کرتا ہے۔ ۱۹۸۹ میں امریکہ میں ۶٫۳ بلین بیرل تیل استعمال کیا گیا۔ یہ برطانیہ یا کینیڈا کے مقابلے میں دس گنا اور تیسری دنیا کے زیادہ تر ممالک کے مقابلے میں سیکڑوں گنا زیادہ ہے۔ اسی طرح کی غیر متوازن صورت حال کاغذ سے لے کر گائے کے گوشت تک کے استعمال میں موجود ہے۔ ایک تجزیے کے مطابق ایک اوسط درجے کا امریکی بچہ سویڈن کے مقابلے میں دنیا کے ماحول کو دو گنا زیادہ نقصان پہنچانے کا سبب بنتا ہے۔ یہ تناسب اٹلی کے مقابلے میں تین گنا' برازیل کے مقابلے میں تیرہ گنا' بھارت کے مقابلے میں ۳۵ گنا اور چاڈ یا ہیٹی کے بچے کے مقابلے میں ۲۸۰ گنا ہے۔ یہ صورت حال کسی بھی دانش مند کی نظر میں خوش آیند نہیں ہے" (ص ۳۳-۳۴)۔

مستقبل کی صورت حال اور بھی مخدوش نظر آتی ہے۔ پال کینیڈی کے بقول: "اکیسویں صدی کے آغاز پر غریب اور امیر کا یہ فرق اور بڑھے گا' جس کے نتیجے میں ترقی یافتہ ممالک میں سماجی بے چینی بڑھے گی اور شمال و جنوب کی کشمکش میں بھی اضافہ ہو گا۔ بڑے پیمانے پر ترک وطن اور ماحولیاتی نقصانات ہوں گے'

جس کی وجہ سے اس میں جیتنے والے بھی نقصان اٹھائے بغیر نہ رہیں گے" (ص ۳۳۴)۔

اگرچہ یہ حالات مختلف پیچیدہ عوامل کا نتیجہ ہیں' جن میں اخلاقی' نظریاتی' سماجی اور تہذیبی نوعیت کے پیچیدہ عوامل شامل ہیں لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بے لگام نظام سرمایہ داری اور سود پر مبنی نظام بنک کاری نے اس بحران کو پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

بنک کاری اب صرف امانتیں وصول کرنے اور قرضہ جاری کرنے کا نام نہیں ہے۔ نظام بنک کاری کا آغاز جیسے بھی ہوا' یہ حقیقت اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ بنک کاری کا نظام آج دنیا کی معیشت میں اعصابی نظام کی حیثیت رکھتا ہے۔ سرمایہ کاری اس نظام میں خون (life blood) کی حیثیت رکھتی ہے اور بنک زندگی کی اس ڈور کو کنٹرول اور منظم کرتے ہیں۔ اشتراکی سیاسی و معاشی نظام کے انتشار کے ساتھ' تیسری دنیا کے ممالک کے ابھر کر آنے اور عالمی معیشت کی بڑھتی ہوئی یکجائی کے نتیجے میں مالیاتی اداروں کا کردار کئی گنا بڑھ گیا ہے۔ یہاں ہمیں ایک بنیادی مسئلہ درپیش ہے' وہ یہ کہ نظام بنک کاری ایک خاص قسم کے اخلاقی و معاشی کلچر میں صدیوں میں پروان چڑھا ہے۔ ربٰوا تقریباً تمام بڑے مذاہب اور اخلاقی نظاموں میں ممنوع (حرام) قرار دیا گیا ہے۔ مختلف تہذیبوں نے اپنے مالیاتی اداروں کو اپنے کلچر میں پروان چڑھایا' ان میں قرون وسطیٰ کی عیسائیت اور اسلامی تہذیب شامل ہیں۔ جدید نظام بنک کاری سرمایہ داری اور سود کے محور کے گرد پروان چڑھا ہے۔ بنک بہت سی خدمات سرانجام دیتے ہیں لیکن مالیاتی لین دین کے ذریعے (Financial Intermediary) کے طور پر کام کرنا' ان کا سب سے بڑا کردار ہے۔ جدید نظام بنک کاری نے ایسے بکھرے ہوئے اثاثوں کو یکجا کرنے کا کام بڑی کامیابی سے انجام دیا ہے جو دوسری صورت میں مختلف جگہوں پر ہوتے۔ بنک نے ان اثاثوں کو نجی اور سرکاری منصوبوں میں سرمایہ کاری کے لیے ایک بہت بڑی قوت کی شکل دی ہے اور اس تاریخی عمل کے دوران' یہ مالیاتی ایجنٹ نہ صرف اس وسیع مالی ذخیرہ کو حرکت میں لا سکے ہیں' بلکہ اس کی بنیاد پر تخلیق زر (credit creation) کی قوت بھی حاصل کر لی ہے اور یوں وہ اثاثوں کی حقیقی بنیاد سے بہت زیادہ غیر معمولی طاقت اور لیوریج (leverage) استعمال کرتے ہیں۔ Derivatives کے نام سے معروف' مالیاتی آلات کے نئے مجموعے نے اس قوت کو کئی گنا بڑھا دیا ہے' اور اس نے گذشتہ عشرے میں دنیا کی مالیاتی منڈیوں پر فوقیت حاصل کر لی ہے۔

Derivatives ایسے معاہدے ہوتے ہیں جن کی بنیاد کچھ دوسرے تحتی معاہدوں پر ہے۔ Derivatives کا لین دین کرنے والے تجارتی اور سرمایہ کاری بنک ہیں جو ان کا اجرا کرتے ہیں اور ان کی قیمتیں متعین کرتے ہیں اور ان کی خرید و فروخت کرتے ہیں۔ یہ معاہدے کسی ایک پارٹی کو کسی موجود اثاثے پر مستقبل کے لیے کلیم کا حق دیتے ہیں اور کسی دوسری پارٹی کو اس کے مطابق ذمہ داری (liability) کا

پابند کرتے ہیں۔ معاہدے میں کرنسی کی مقدار یا سیکیورٹی یا طبعی شے یا ادائیگیوں کے کسی سلسلے یا مارکیٹ انڈکس کو بیان کیا جاتا ہے۔ دونوں فریقوں کو برابری کی بنیاد پر پابند کیا جاتا ہے یا کسی ایک فریق کو ایسا کرنے یا نہ کرنے کا حق دیا جاتا ہے۔ اس میں اثاثہ جات یا ذمہ داریوں (obligations) کا باہمی سودا کیا جاتا ہے۔ Derivatives کی نشوونما غیر معمولی ہے۔ ایک BIS سروے کے مطابق OTC اور Exchange Derivatives کی مالیت اپریل ۱۹۹۵ میں ۴۷.۵ ٹریلین امریکی ڈالر کے برابر تھی۔ OTC derviatives کے علاوہ Exchange Derivatives میں یہ مالیت ۱۶.۶ ٹریلین ڈالر تھی۔ اس طرح Derivatives کی مالیت تقریباً ۶۴ ٹریلین امریکی ڈالر کے برابر بنتی ہے۔ اس کے مقابلے میں ۱۹۹۵ کے آخر میں دنیا کے تمام ممالک کی خام داخلی پیداوار (GDP) کا تخمینہ ۲۸.۹۵۴ ٹریلین امریکی ڈالر کے برابر تھا۔ (اکتوبر ۹۶، ص ۶۷ (World Economic Outlook, IMF)۔ امریکہ بھی Derivatives منڈی میں بہت آگے ہے۔ Derivatives کی منڈی میں ۱۹۹۴ میں امریکہ کے ۱۸ ٹریلین ڈالر تھے، جب کہ اس عرصے میں کاروباری مالیات (corporate financing) ایک ٹریلین ڈالر کے برابر تھی۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ دنیا کی منڈیوں میں Derivatives کا روزانہ کا لین دین ایک ٹریلین ڈالر سے زائد ہے جب کہ سالانہ turnover تقریباً ۳۰۰ ٹریلین ڈالر سے زائد ہے جو کہ دنیا کے تمام ممالک کی خام داخلی پیداوار (GDP) کا ۱۲ گنا ہے۔

امریکہ کی US Federal Deposit Insurance Corporation کی سہ ماہی بنک کاری رپورٹ کے مطابق امریکی تجارتی بنکوں کے Derivatives کی مالیت سالانہ ۳۰ تا ۳۵ فی صد کے حساب سے بڑھ رہی ہے اور یہ Derivatives سب بڑے بڑے اداروں کے پاس مرتکز ہو رہے ہیں۔ پانچ بڑے بنکوں (سٹی کارپ، کیمیکل بنک، بینکرز ٹرسٹ، جے پی مارگن اور چیزمین ہیٹن) کے پاس Derivatives کا ۷۵.۵ فی صد ہے۔ ان کے مقابلے میں اگلے دس بنکوں کے پاس ۱۹.۵ فی صد اور باقی ۶۵۳ بنکوں کے پاس صرف پانچ فی صد ہے۔ اس کے مقابلے میں جون ۱۹۹۴ میں ختم ہونے والے سال میں امریکی تجارتی بنکوں کے اثاثوں میں ۹ فی صد اضافہ ہوا جب کہ قرضوں میں اضافہ کی شرح ۸ فی صد تھی۔ جب کہ "off balance sheet derivatives" بنکوں کے اثاثوں سے چار گنا زیادہ تھے۔

بیسویں صدی سے بہت کچھ حاصل ہوا ہے لیکن یہ اکیسویں صدی کے لیے ورثے میں ہزاروں مسائل اور تنازعات چھوڑ کر جا رہی ہے۔ سب سے اہم چیلنج دنیا کی تقریباً ایک تہائی آبادی کو بری طرح متاثر کرنے والی غربت اور محرومی اور دولت اور مواقع میں بہت زیادہ تفاوت دور کرنے میں دنیا کی معیشت کی ناکامی ہے۔

معاشی پھیلاؤ نے ایک بالکل نئی شکل اختیار کی ہے جس نے مالیاتی اور طبیعیاتی معیشتوں میں تعلق کو بالکل ختم نہیں تو کمزور ضرور کر دیا ہے۔ موجودہ معاشی امراض کی جڑ یہی ہے۔ اس صدی کی خاص بات ہر چیز

کا عالمی ہو جاتا ہے۔ اس لیے ان تبدیلیوں کی وجہ سے پیدا ہونے والے عدم استحکام کے اثرات بھی عالمی نوعیت کے ہیں۔

جدید سرمایہ دارانہ معیشت کی نوعیت اور ڈھانچے کو قرضوں کی بنیاد پر قائم معیشت (debt based economy) کہا جا سکتا ہے' خواہ ہم انفرادی اور گھریلو صرف کے شعبہ کو دیکھیں یا نجی و سرکاری پیداواری شعبہ کو' معاشی سرگرمیاں سود کے محور پر گردش کرنے والے قرضوں پر مشتمل ہوتی ہیں۔ معاشی ترقی کے حصول کے لیے گذشتہ دو صدیوں میں اختیار کی گئی پالیسیوں میں قرضوں کو نہ صرف طبعی ترقی بلکہ مالیاتی پھیلاؤ کے لیے ایک آلے (instrument) کے طور پر اختیار کیا گیا۔ اسی لیے تخلیق زر (credit creation) کے ذریعے مالیاتی پھیلاؤ کو نہ صرف معیشت کے لیے سب سے زیادہ محرک عامل بنایا گیا ہے بلکہ معاشی استحکام کے لیے اس کو سب سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ ۱۹۹۶ میں ترقی پذیر ملکوں کے بیرونی قرضے ۱.۹۵۶ ٹریلین امریکی ڈالر کے برابر تھے جب کہ ترقی یافتہ ممالک کی صورت حال بھی کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ امریکہ دنیا کا امیر ترین ہی نہیں دنیا کا سب سے زیادہ مقروض ملک بھی ہے۔ ۱۹۶۰ میں امریکہ کا وفاقی خسارہ ۵۹.۶ بلین ڈالر تھا اور قومی قرض ۹۱۴.۳ بلین ڈالر' (جب کہ ۱۹۰۰ میں قومی قرض ایک بلین ڈالر تھا)۔ ۱۹۹۱ میں خسارہ بڑھ کر ۳۰۰ بلین ڈالر ہو گیا' جب کہ قومی قرض ۴ ٹریلین ڈالر تک پہنچ گیا۔ پال کینڈی' "اکیسویں صدی کے لیے تیاری" میں لکھتا ہے:

"۸۰ کے عشرے میں نہ صرف قومی قرضہ بہت زیادہ بڑھا بلکہ قرض کی ہر صورت میں (مثلاً صرفی قرضے) آسان آمدنی (easy money) کی ترغیب کی وجہ سے اضافہ ہوا اور یہ ۴ ٹریلین ڈالر تک پہنچ گئے' جس کی وجہ سے شخصی آمدنی کم ہو گئی۔ کاروباری قرض کی صورت اور بھی زیادہ خراب تھی۔ ۹۰ کے عشرے کے آغاز پر امریکی کاروباری کمپنیوں کی ٹیکس کی ادائیگی کے بعد بچنے والی آمدنی کا ۹۰ فی صد قرضوں پر سود کی ادائیگی میں خرچ ہوا--- سرکاری اور نجی قرض خام قومی پیداوار (GNP) کے تقریباً ۱۸۰ فی صد کے برابر تھا' ادائیگیوں کے توازن (BOP) اور کرنٹ اکاؤنٹ میں خسارہ ایک اور تبدیلی کی نشاندہی کرتے ہیں--- اس کے نتیجے میں امریکہ اپنی جنگوں کے اخراجات غیر ملکیوں سے ہر سال ۱۰۰ بلین ڈالر قرض لے کر پورے کرتا ہے۔ اور دس سال سے بھی کم عرصہ میں دنیا کو سب سے زیادہ قرض دینے والا ملک سب سے زیادہ قرض لینے والا ملک بن گیا ہے" (ص ۲۸۸-۲۸۶)۔

عالمی حالات کے اس تناظر میں ہم اسلامی بنک کاری کے ان اصولوں کی نشاندہی کریں گے جن پر مستقبل کی تعمیر کی جا سکتی ہے۔

معاشیات سے متعلق اسلام کا نقطہ نظر معیشت کے بالکل مختلف وژن (vision) پر مبنی ہے۔ مثلاً

قرضوں پر مبنی credit based کے بجائے شراکتی پر مبنی (equity based)۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ قرضوں کا لین دین نہیں ہو سکتا۔ حقیقی انفرادی اور کاروباری ضروریات کو پورا کرنے کے لیے قرض حسن کا تصور موجود ہے، لیکن معیشت کا ڈھانچہ مختلف نوعیت لیے ہوئے ہے۔ سرمایہ اور آجر شریک کار ہوں گے اور کاروبار کے نفع و نقصان میں حصہ دار ہوں گے۔

اسلام سرمایہ پر منافع کے خلاف نہیں ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ نظام بنک کاری کو پہلے سے متعین کردہ شرح سود کی بنیاد پر چلانے کے بجائے نفع میں شرکت کے نظام سے بدل دیا جائے، جس میں شرح منافع پہلے سے معلوم نہ ہو اور کاروباری لین دین سے پہلے اس کو متعین نہ کیا گیا ہو، بلکہ یہ بعد میں طے کی جائے۔

اسلام، کاروبار اور تجارت کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور منافع کی صرف اجازت ہی نہیں دیتا بلکہ مثبت قدر کے طور پر اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ ایک متوقع شرح منافع کے پیش نظر متعین شرح سود کے بجائے اصل منافع کی بنیاد پر پہلے سے غیر متعین شرح منافع کا اصول پیش کرتا ہے۔ یہ وہ بنیاد ہے جس پر اسلام، سرمایہ اور آجر میں تعاون اور پیداواری عمل میں حصہ داری کا خواہاں ہے۔ اسلامی تاریخ کے پہلے دور میں اسلامی معاشرے ایسے مالیاتی آلات اور ادارے بھی وجود میں لائے، اور آج جب کہ معاشی نظام بہت زیادہ پیچیدہ ہو گئے ہیں، اسلامی بنک کاری کی تحریک معاصر معیشت کے حوالے سے ایک متبادل نظام کو ترقی دینے کی تحریک ہے۔

تاہم یہ بات اہم ہے کہ سود کا خاتمہ اسلامی معاشیات کا ایک پہلو ہے۔ اسلام ایک منصفانہ معاشی نظام کے قیام کا داعی ہے جو بالکل واضح طور پر متعین معاشی حقوق، ملکیت کے تصورات، معاہدات، محنت اور آمدنی و دولت کی منصفانہ تقسیم پر مبنی ہو۔ اسلام اخلاقی اقدار اور غیر اخلاقی اقدار، حلال و حرام اور منڈی کی میکانیت کا ایسا نظام پیش کرتا ہے جو اخلاقیات کی بنیاد پر قائم ہو اور وسائل کو مختص کرنے کے عمل میں کارکردگی اور شراکت کو یقینی بنائے۔

ریاست کا کردار بھی واضح طور پر متعین کیا گیا ہے۔ یہ ریاست نہ تو عدم مداخلت کے اصول پر مبنی غیر جانبدار سٹیٹ ہے اور نہ ہی سوشلسٹ طرز کی کلی طور پر حاوی ریاست۔ کچھ خاص مقاصد کے تحت ریاست کو مداخلت کی محدود اجازت ہے۔ اسلام قیمتوں میں استحکام اور زر کی قدر کے تحفظ کا خواہاں ہے جو قدر کی پیمائش کا ذریعہ اور ادھار ادایگی کا معیار ہے۔ ایسی معیشت میں بنک صرف ایک درمیان کے مالیاتی ادارے کا کردار ادا نہیں کرتے بلکہ معیشت کی ترقی کے علاوہ معیشت کو ایک خاص نہج پر ڈھالنے کا کردار بھی ادا کرتے ہیں اور ساتھ ہی سماجی و اخلاقی مقاصد کے حصول کا ذریعہ بھی ہوتے ہیں۔ بلاشبہ بنکوں سے نہ تو خیراتی ادارہ ہونے کی توقع کی جا سکتی ہے اور نہ ہی صرف انسان دوست یا فلاحی تنظیم ہونے کی۔ لیکن نظام

بنک کاری میں فلاح و بہبود' شراکت اور استحکام کے پہلو بھی اسی طرح ضروری ہیں جس طرح کارکردگی' افادیت اور منافع کاری اہم ہیں۔ یقیناً اس میں کچھ کمی زیادتی ہو گی۔ بہرحال مقصد کارکردگی اور برابری' منافع بخشی اور بہبود' اور پھیلاؤ اور استحکام کے درمیان توازن کا حصول ہو گا۔ روایتی بنک کاری بھی کسی حد تک اخلاقی پہلو کو محدود حد تک سامنے لانے کی کوشش کرتی ہے۔ اخلاقی بنیادوں پر بنک کاری کی تحریک اس کی ایک مثال ہے۔[۲] لیکن اس کی حیثیت مرکزی نہیں ہے' اسلامی بنک کاری میں اخلاقی اور سماجی مقاصد کو مرکزی اہمیت حاصل ہے' اسی لیے اسلامی بنک کاری صرف غیرسودی بنک کاری نہیں ہے بلکہ اس سے بڑھ کر بہت کچھ ہے۔ یہ پوری معیشت کا ایک نیا اور مختلف انداز ہے۔ اسلامی معاشیات کا بنیادی نظریہ نفع و نقصان پر مبنی ایک مستعد اور منصفانہ نظام کا قیام ہے (کچھ لوگوں کے نزدیک صرف منافع میں شراکت)۔ اس نظام کی اہلیت کی خصوصیت اس نظام معیشت کے مالیاتی اور حقیقی شعبوں میں ربط سے حاصل ہوتی ہے۔ جب کہ شراکت کی خصوصیت امانتوں پر شرح منافع کو مدت کے طول کے مطابق زیادہ سے زیادہ کرنے پر ہے۔

لیکن اسلامی بنک کاری کو فعال اور منصفانہ بنانے کے لیے اس کی منافع اندوزی یعنی قرضوں پر منافع اور امانتوں پر منافع کے درمیان فرق کو (جسے spread بھی کہا جاتا ہے) زیادہ سے زیادہ بڑھانے کی ضرورت ہے۔ ایک اور ضرورت یہ ہے کہ بنک کے کاموں میں موجود خطر (risk) کے عنصر کو کم سے کم کیا جائے اور اس پر خوب اچھی طرح نظر رکھی جائے۔ اہلیت اور منافع اندوزی کی خصوصیات کے درمیان تعلق اس حقیقت سے معلوم ہوتا ہے' جیسا کہ کئی مطالعاتی جائزوں سے ظاہر ہے کہ معاشی سرگرمیوں کی سطح' امانتوں اور قرضوں کے اجرا اور spread پر اثرانداز ہوتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں نظام بنک کاری میں منافعوں کو زیادہ سے زیادہ کرنے کے لیے ایسی پالیسیوں کی ضرورت ہے جن کے نتیجے میں معاشی ترقی میں اضافہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ معیشت کے مالیاتی اور حقیقی شعبوں میں ربط کو مضبوط بنا کر' روایتی بنکوں کے مقابلے میں اسلامی بنکوں کے سماجی منافعوں میں اضافے کے زیادہ امکانات ہیں۔ اسلامی بنکوں کی بالاتری اور مستعدی کا انحصار اس بات پر ہے کہ اسلامی بنکوں کے منافع (اور نقصان) عدل و احسان کی اسلامی اقدار کی روشنی میں آپس میں تقسیم کیے جائیں۔ اسلامی بنکوں میں روز مرہ کے اخراجات اور جاری کردہ قرضوں پر شرح منافع کے پیش نظر' روایتی بنکوں کے مقابلے میں اسلامی بنک امانتوں پر شرح منافع لازماً زیادہ دے سکیں گے۔

خطر' اہلیت' بالاتری اور منافع اندوزی کے درمیان ربط' اسلامی بنکوں کے سرمایہ کاری کے مواقع پیدا کرنے کی قابلیت پر منحصر ہے (جس کا اسے عملاً مظاہرہ کرنا چاہیے) جو ایک طرف تو خطر (risk) سے بچنے والے اور خطر کا سامنا کرنے والے سرمایہ کاروں کی ترجیحات پر پورا اتر سکے اور دوسری طرف معاشرے میں

معاشی سرگرمی کی عکاسی کر سکے۔

اہلیت، بالاتری اور منافع اندوزی سے قطع نظر نفع و نقصان میں شراکت (PLS) شرعی نقطہ نظر سے ایک بہتر طریقہ ہے۔ یہ طریقہ اسلامی بنک کاری (جو کہ شراکتی مالیات پر مشتمل ہے) کو روایتی بنک کاری (جو کہ قرضہ جاتی مالیات پر مشتمل ہے) سے جدا کرتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں نفع و نقصان میں شراکت کا طریقہ بنک کاری کی اسلامی نوعیت کو سب سے زیادہ واضح کرتا ہے۔ اس قسم کی بنک کاری میں انقلابی قوت موجود ہے۔ اس کا اعتراف مغربی معاشیات دانوں اور بنک کاروں کی ایک بڑی تعداد کر رہی ہے۔

ترقیاتی مرکز برائے او ای سی ڈی (OECD) پیرس کے عرب اور اسلامی بنک کاری کے موضوع پر کیے گئے ایک مطالعے کے لکھنے والے مسٹر ٹراوٹ وولر شارف (Traute Wohler Scharf) کہتے ہیں:

"اسلامی بنک کاری کے اصولوں کی روشنی میں اگر جنوب سماجی و معاشی نظام کے جدید نظریہ (نفع و نقصان میں شراکت پر مبنی چھوٹے اور درمیانے درجے کے نئے منصوبوں پر توجہ مرتکز کرے جن کا مقصد معاشی اثاثوں کی تخلیق ہو) کو اپنا لے تو یہ تعاون کے تصور کی طرف پیش قدمی ہو گی جس کا آج تک صنعتی ممالک میں ہی چرچا رہا ہے۔[۳] اسلامی بنک کاری ایک طرف مالیات اور دوسری طرف صنعت و تجارت کے درمیان تعلق کو تبدیل کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ یہ نیا تعلق اسلام کے معاشی نظام کی بنیاد ہے۔ بین الاقوامی مالیات کے مقابلے کے ماحول میں اسلامی اصولوں کو تجربہ کی کسوٹی پر پرکھنا ابھی باقی ہے۔ دونوں نظام مالیاتی ثالثی اداروں اور معاشی اثاثوں کی تخلیق میں قریبی تعلق پیدا کرنے کے خواہاں ہیں"۔

"اسلامی بنک معاشی افزایش اور ترقی کے لیے مفید کردار ادا کر سکتے ہیں، خاص طور پر کساد بازاری، افراط زر و بے روزگاری اور کم معاشی افزایش کے حالات میں۔ کیونکہ ان بنکوں کا اصل زور پیداواری سرمایہ کاری کے عمل پر ہے۔ شمال و جنوب سمیت تمام ممالک مزید سرمایے کے محتاج ہیں۔ خاص طور پر صنعتی معیشتوں میں قرضہ جاتی سرمایہ تو موجود ہے، لیکن بہت زیادہ شرح سود پر۔ تاہم اوسط درجہ کے کاروباری بھی نئے کام شروع کرنے اور پھیلانے کے لیے سرمایہ کے حصول میں مشکلات کا شکار ہیں۔ اس چیز نے شمال میں پیداواریت اور معاشی افزایش میں رکاوٹ پیدا کر دی ہے۔ پس اسلامی بنکوں اور کاروباری اداروں میں دنیا بھر میں عمل اور درمیانی مدت کے تعاون کے امکانات موجود ہیں۔ درمیانی عمل کو ابھی پوری طرح ترقی دینے کی ضرورت ہے"۔ (Arab and Islamic Banks, OECD Paris 1983, p 95)

Lough brorough یونیورسٹی (برطانیہ) کے پروفیسر جان آر پریسلے (John R. Presley) اور جے جی سیشنز (J.G. Sessions) نے برطانیہ کی رائل اکنامک سوسائٹی کے رسالے "دی اکنامک جنرل" کے مئی ۹۴ کے شمارے میں اسلامی مالیاتی اصولوں کے مرکزی کردار کا جائزہ لیا ہے۔ مضمون کا نام ہے "Islamic

"Economics: The Emergence of a New Paradigm" ۔ وہ اس بات پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں کہ: "مغربی معاشیات دان گذشتہ عشرے کے دوران معاشیات کی ایک نئی جہت "اسلامی معاشیات" کو پہچاننے میں ناکام رہے ہیں"۔ آخر میں وہ لکھتے ہیں: "ایک سودی معاہدہ جو کہ تلافی اور عامل سرمایہ کے فرق کو پیدا کرتا ہے، اس کے مقابلے میں مضاربہ کی بنیاد پر مالیات کا نظام پراجیکٹ کے اندر سے تلافی کا اہتمام کرتا ہے۔ پس مضاربہ کا معاہدہ مینیجر کے براہ راست کوشش و جدوجہد کو کنٹرول کرتا ہے۔ کیونکہ یہ کوشش سرمایہ کاری اور پراجیکٹ کی پیداوار کے تعلق کو متاثر کرتی ہے۔

معاہدہ مضاربہ کے تحت مینیجر (مضارب) کو اس بات کی آزادی دی جاتی ہے کہ وہ سرمایہ کے ایسے مناسب معیار کا انتخاب کرے جو معاہدہ کی رو سے اس کی محنت و جدوجہد کے معیار کے لیے ضروری ہے۔ اس قسم کا معاملہ سرمایہ کاری میں اوسط درجے کے پھیلاؤ کا ذریعہ بنتا ہے ـــــ اس طرح اوسطاً سرمایہ کاری بڑھتی ہے جب کہ اس معیار کے مقابلے میں بہت زیادہ اتار چڑھاؤ میں کمی آ جاتی ہے ـــــ چند شرائط کے اندر رہتے ہوئے سرمایہ کاری کو صلہ (منافع) دینے کے لیے متبادل طریقے (مضاربہ) کا استعمال، سرمایہ کو حاصل کرنے کے لیے ایک آلہ (Instrument) ہونے کی خصوصیت اور قابلیت کی وجہ سے یہ طریق سرمایہ کاری کے معیار کو بلند کرنے کا سبب بنے گا" (مئی ۹۴، ص ۵۹۵)۔

ایک مشہور جرمن معاشیات دان پروفیسر ہینز البا (Hans Albaah) کہتے ہیں: "اسلامی بنک ان سرمایہ کاروں کو کاروباری مقاصد کے لیے قرضے فراہم کرتے ہیں جن کا حصہ ان کی ذہانت و ہنرمندی اور محنت ہوتا ہے۔ دوسرے، یہ بنک شراکتی سرمایہ کے ذریعے ایسے پروجیکٹوں کے لیے سرمایہ فراہم کرتے ہیں جن میں بہت سے شراکت داروں کی ضرورت ہوتی ہے"۔

"ترقی پذیر ممالک میں جہاں کاروباری خطر زیادہ ہوتا ہے شراکتی سرمایہ کی ضرورت کے حوالے سے یہ بنک بہت مناسب ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ صنعتی ممالک جہاں نئے طریقوں اور نئے پروجیکٹوں میں خطر کا عنصر بہت زیادہ ہوتا ہے اور ان کے لیے بہت زیادہ سرمایے کی ضرورت ہوتی ہے، ان کے لیے بھی یہ بنک بہت مناسب ہیں"۔ (Islamic Banking, Proeedings of Baden-Baden Seminar, London)

اسلامی بنک کاری کو اگر اسلام کے بنیادی اصولوں کی روشنی میں چلایا جائے تو یہ اکیسویں صدی میں معیشت کی تعمیر نو میں بہت ہی اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔ میری ایمان دارانہ رائے کے مطابق اسلامی بنک کاری ابھی بہت ہی ابتدائی سطح پر ہے۔ اسلامی بنک کاری کے حقیقی اور جامع تصور کو ابھی حقیقت کے رنگ میں ڈھالنا ہے۔ اسلامی بنک کاری کو اصل تصور کے قریب لانے کے لیے ابھی بہت سا سفر کرنا باقی ہے۔ مالیاتی لین دین میں سود کے خاتمے کے لیے جو بھی سنجیدہ کوششیں کی گئی ہیں وہ قابل تعریف ہیں لیکن اس پر

ابھی بہت کام کرنا باقی ہے۔ اس ضمن میں اندرون ملک اور بیرون ملک اب تک کی گئی کوششیں غیر موافق اور ناسازگار ماحول میں کی گئی ہیں۔ معاشرے کی اخلاقی حالت ابتر ہے۔ قانونی ڈھانچہ مخالف ہے۔ ٹیکس کا نظام سود کے لیے موافق ہے اور منافع میں شراکت کے نظام کا مخالف ہے۔ اسلامی بنک کاری اور روایتی بنک کاری کے درمیان مقابلے کی صورت میں صاحب حیثیت لوگ اسلامی نظام کے مخالف ہیں۔ ان معروضی حالات میں اب تک کی گئی کوششیں بہرطور قابل تعریف ہیں۔ یہ کوششیں اسلامی بنک کاری کی طرف پہلا قدم ہیں۔

موجودہ اسلامی بنکوں کا بہت زیادہ انحصار ان جائز مالیاتی آلات پر ہے جو کہ روایتی معاشی نظام کے بہت زیادہ قریب ہیں مثلاً مرابحہ (mark-up) اور اجارہ (leasing)۔ تقریباً ۸۰ تا ۹۰ فی صد قرضہ جات میں انھی آلات کو استعمال کیا گیا ہے جب کہ مضاربہ اور مشارکہ جیسے حقیقی متبادلات کو بہت ہی محدود پیمانے پر استعمال کیا گیا ہے۔ اخلاقی و سماجی مقاصد کو بھی وہ اہمیت نہیں دی گئی جس کے وہ مستحق ہیں۔ امانتوں کو حرکت میں لانے کے حوالے سے سب سے زیادہ پیش رفت ہوئی ہے اور خاص طور پر بہت سے نئے وسائل حاصل کیے گئے ہیں لیکن ان وسائل کو معاشرتی طور پر فائدہ مند اور ترقیاتی اور فلاحی مقاصد کے لیے بہت کم استعمال کیا گیا۔ روزگار کی فراہمی اور معاشرے کے نچلے اور متوسط طبقات کی طرف وسائل کے بہاؤ کی طرف' خاص طور پر دیہی سطح پر' جہاں بہت زیادہ امکانات کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے چیلنج درپیش آتے ہیں' توجہ نہیں دی گئی۔ اسی طرح وسائل کے بہترین طریق پر استعمال کا معاملہ ہے۔

اسلامی بنک کاری کی سکیم کو اس محدود اور جزوی تجربے کی بنیاد پر کامیابی و ناکامی کی کسوٹی پر جانچنا ناانصافی ہو گا۔ ابھی تو بہت سا سفر طے کرنا ہے' نظام کے نمایاں پہلوؤں کو اجاگر کرنا ہے' اس کے بعد ہی اس تجربے کے بارے میں کوئی حقیقی رائے قائم کی جا سکتی ہے۔

تاہم عملی تجربات کے حوالے سے دیکھا جائے تو یہ حقیقت ہے کہ اسلامی بنکوں کی طرف سے دیے جانے والے منافع کی شرح روایتی بنکوں کی نسبت کم ہے۔ سرمایہ کاری کے حوالے سے دیکھا جائے تو اسلامی بنک پیداواری سرگرمیوں کی نسبت تجارتی سرگرمیوں' عرصہ طویل کے مقابلے میں عرصہ قلیل کے منافعوں' سماجی فائدوں کے مقابلے میں نجی فائدوں کو ترجیح دیتے ہیں۔ قلیل مدتی اثاثوں کے ارتکاز نے اسلامی بنکوں کی سرمایہ کاری کے استحکام کو کم کر دیا ہے اور بنکوں کے خطر میں اضافہ کر دیا ہے۔

عملی طور پر قرضہ جاتی سرمایہ حاصل کرنے والے' نفع و نقصان میں شراکت کے مقابلے میں مرابحہ (mark-up) کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں۔ حقیقی شرح منافع (افراط زر کے مطابق) اگر منفی نہیں تو عام طور پر کم ہے جب کہ بنک کاری کے قرضوں پر یہ لازماً مثبت ہوتی ہے۔ ان تمام اندرونی چیلنجوں' اور بیرونی

مشکلات اور رکاوٹوں کے باوجود' اسلامی بنکوں کو اسلامی مالیاتی طریقوں کو اس انداز میں نافذ کرنا ہے کہ کارکردگی' منافع اندوزی اور برابری کے مقاصد ساتھ ساتھ حاصل کیے جا سکیں۔

بنکوں کے حسابات کی جانچ پڑتال کے نظام کو بھی بہتر کرنے کی ضرورت ہے تاکہ حقیقی اور عملی اخراجات کا صحیح تخمینہ لگ سکے اور بنکوں میں ہونے والی کوتاہیوں اور خرابیوں پر نظر رکھی جا سکے۔ اسے اسلامی بنکوں جیسے کسی بھی ذمہ دار بنک کا ایک لازمی جزو ہونا چاہیے۔ بالفاظ دیگر اسلامی بنکوں میں معلومات کی بنیاد وسیع ہونا لازمی ہے' اس مقصد کے لیے کمپیوٹر جیسی جدید سہولتوں سے فائدہ اٹھایا جائے جن کے ذریعے بہت تھوڑے وقت اور بہت کم اخراجات میں نہ صرف معلومات کو جمع کیا جا سکتا اور رکھا جا سکتا ہے بلکہ ان معلومات کو پھیلانا اور دوسروں تک پہنچانا بھی آسان ہو جاتا ہے۔ ایسا کرنا ضروری ہے کیونکہ اسلامی بنک کے قیام کے ساتھ اطلاعاتی اخراجات میں اضافہ ہو جاتا ہے' مثلاً امانتیں جمع کروانے والے لوگ اس بات کا فیصلہ کرنے کے لیے کہ وہ اپنی رقوم سے کہاں سرمایہ کاری کریں' مختلف بنکوں کی کارکردگی جانچنا چاہتے ہیں' اسی طرح بنک بھی سرمایہ کاری کے لیے دستیاب وسائل کو استعمال کرنے کے حوالے سے بہت زیادہ اور بروقت معلومات حاصل کرنے کے خواہشمند ہوتے ہیں۔

اسلامی بنکوں میں قرضوں کے نادہندگان کے ساتھ سختی سے نپٹا جائے' کیونکہ یہ خیانت ہے جو اسلام کی نظر میں بہت بڑا جرم اور گناہ ہے۔ عمومی طور بنکوں کی رقوم کے سلسلے میں کسی قسم کے غبن کو سماجی جرم قرار دیا جائے۔

شراکتی ضروریات کے پیش نظر بنکوں کی امانتوں اور قرضوں پر منافع کے درمیان فرق کو ممکن حد تک کم رکھا جائے' البتہ اس ضمن میں بنک کے مناسب عملی اخراجات کی رعایت رکھی جائے جس کا تعین ذمہ دار آڈیٹرز کے ذریعے کیا جائے۔

روایتی بنکوں پر سبقت لے جانے کے لیے اسلامی بنکوں کو حقیقی منافع کی ادائیگی کا اہتمام کرنا ہو گا جو کہ مناسب منافع کی صورت میں ہو اور اس کا تعین اس مدت کے مطابق کیا جائے جس کے لیے وہ رقوم جمع کروائی گئی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ افراط زر کے زمانے میں بنکوں کے قرضوں پر منافعوں کی شرحیں افراط زر کی شرح سے بڑھ جاتی ہیں۔ اس طرح اسلامی بنک افراط زر کے مطابق امانتوں پر منافع کو بڑھا سکتے ہیں۔

اسلامی بنکوں کو ایسے نئے طریقے دریافت اور اختیار کرنے چاہییں جن میں بچت کنندگان کے خطر (risk) کی مختلف ترجیحات موجود ہوں۔ بچت کرنے والے مختلف طبقات کے لیے ان کی خطر کا سامنا کرنے کی صلاحیت کے علی الرغم سب کو ایک ہی طرح کے خطر میں ڈالنا اخلاقی لحاظ سے بھی مناسب نہیں ہے۔

اسلامی بنکوں کو طویل المیعاد پروجیکٹوں میں سرمایہ کاری سے معاشرتی اور سماجی منافع انفرادی منافعوں کے مقابلے

مشکلات اور رکاوٹوں کے باوجود' اسلامی بنکوں کو اسلامی مالیاتی طریقوں کو اس انداز میں نافذ کرنا ہے کہ کارکردگی' منافع اندوزی اور برابری کے مقاصد ساتھ ساتھ حاصل کیے جا سکیں۔

بنکوں کے حسابات کی جانچ پڑتال کے نظام کو بھی بہتر کرنے کی ضرورت ہے تاکہ حقیقی اور عملی اخراجات کا صحیح تخمینہ لگ سکے اور بنکوں میں ہونے والی کوتاہیوں اور خرابیوں پر نظر رکھی جا سکے۔ اسے اسلامی بنکوں جیسے کسی بھی ذمہ دار بنک کا ایک لازمی جزو ہونا چاہیے۔ بالفاظ دیگر اسلامی بنکوں میں معلومات کی بنیاد وسیع ہونا لازمی ہے' اس مقصد کے لیے کمپیوٹر جیسی جدید سہولتوں سے فائدہ اٹھایا جائے جن کے ذریعے بہت تھوڑے وقت اور بہت کم اخراجات میں نہ صرف معلومات کو جمع کیا جا سکتا اور رکھا جا سکتا ہے بلکہ ان معلومات کو پھیلانا اور دوسروں تک پہنچانا بھی آسان ہو جاتا ہے۔ ایسا کرنا ضروری ہے کیونکہ اسلامی بنک کے قیام کے ساتھ اطلاعاتی اخراجات میں اضافہ ہو جاتا ہے' مثلاً امانتیں جمع کروانے والے لوگ اس بات کا فیصلہ کرنے کے لیے کہ وہ اپنی رقوم سے کہاں سرمایہ کاری کریں' مختلف بنکوں کی کارکردگی جانچنا چاہتے ہیں' اسی طرح بنک بھی سرمایہ کاری کے لیے دستیاب وسائل کو استعمال کرنے کے حوالے سے بہت زیادہ اور بروقت معلومات حاصل کرنے کے خواہشمند ہوتے ہیں۔

اسلامی بنکوں میں قرضوں کے نادہندگان کے ساتھ سختی سے نپٹا جائے' کیونکہ یہ خیانت ہے جو اسلام کی نظر میں بہت بڑا جرم اور گناہ ہے۔ عمومی طور بنکوں کی رقوم کے سلسلے میں کسی قسم کے غبن کو سماجی جرم قرار دیا جائے۔

شراکتی ضروریات کے پیش نظر بنکوں کی امانتوں اور قرضوں پر منافع کے درمیان فرق کو ممکن حد تک کم رکھا جائے' البتہ اس ضمن میں بنک کے مناسب عملی اخراجات کی رعایت رکھی جائے جس کا تعین ذمہ دار آڈیٹرز کے ذریعے کیا جائے۔

روایتی بنکوں پر سبقت لے جانے کے لیے اسلامی بنکوں کو حقیقی منافع کی ادائیگی کا اہتمام کرنا ہوگا جو کہ مناسب منافع کی صورت میں ہو اور اس کا تعین اس مدت کے مطابق کیا جائے جس کے لیے وہ رقوم جمع کروائی گئی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ افراط زر کے زمانے میں بنکوں کے قرضوں پر منافعوں کی شرحیں افراط زر کی شرح سے بڑھ جاتی ہیں۔ اس طرح اسلامی بنک افراط زر کے مطابق امانتوں پر منافع کو بڑھا سکتے ہیں۔

اسلامی بنکوں کو ایسے نئے طریقے دریافت اور اختیار کرنے چاہییں جن میں بچت کنندگان کے خطر (risk) کی مختلف ترجیحات موجود ہوں۔ بچت کرنے والے مختلف طبقات کے لیے ان کی خطر کا سامنا کرنے کی صلاحیت کے علی الرغم سب کو ایک ہی طرح کے خطر میں ڈالنا اخلاقی لحاظ سے بھی مناسب نہیں ہے۔

اسلامی بنکوں کو طویل المیعاد پروجیکٹوں میں سرمایہ کاری سے معاشرتی اور سماجی منافع انفرادی منافعوں کے مقابلے

اسلامی بنک کاری کے اصول اور آلات صرف مسلمانوں سے متعلق نہیں ہیں۔ وہ سب کے لیے قابل عمل ہیں۔

دنیا میں سرمایے کے بہاؤ میں سرمایے کا شراکتی سرمایہ کاری کی طرف منتقلی کا رجحان سامنے آیا ہے۔ ترقی پذیر ممالک کی طرف کل نجی سرمایاتی بہاؤ (Net private capital flow) (جو کہ براہ راست سرمایہ کاری، مختلف portfolio پر سرمایہ کاری اور دوسرے طویل المیعاد اور قلیل المیعاد سرمایہ کاری پر مشتمل ہے) جو ۱۹۷۳-۷۷ میں اوسط ۱۰.۱ بلین ڈالر تھا، ۱۹۷۸-۸۲ میں بڑھ کر ۲۷.۴ بلین ڈالر اور ۱۹۸۹-۹۵ میں ۱۱۷.۸ بلین ڈالر ہو گیا۔ ۱۹۹۵ کے اصل اعداد و شمار کے مطابق یہ ۲۲۶.۵ بلین ڈالر تھا۔ اس سرمایہ کاری بہاؤ کے مقابلے میں قرض ۱۹۷۳-۷۷ میں ۱۱.۱ بلین ڈالر تھا۔ ۱۹۷۸-۸۲ کے دوران ۲۳.۴ بلین ڈالر تھا جو ۱۹۸۹-۹۵ کے دوران اوسطاً ۲۱.۴ بلین ڈالر رہ گیا۔ حالیہ سالوں میں ایشیائی ممالک کو دیے گئے فنڈز میں شراکتی سرمایہ ۲۷ فی صد بڑھا۔[۴] اگر یہ تبدیلیاں مستقبل کے رجحانات کی نشاندہی کرتی ہیں تو یہ آنے والے عشروں میں شراکتی سرمایہ کاری کی وسعت کو بھی ظاہر کرتی ہیں۔ یہ اور اسی طرح کے دوسرے رجحانات اکیسویں صدی میں اسلامی اور روایتی بنکوں کے درمیان بڑے پیمانے پر تعاون اور باہمی صحت مندانہ مقابلے کو فروغ دیں گے۔ اپنے اختلافی حالات اور نظریات کے باوجود روایتی بنکوں اور اسلامی بنکوں کو ایک دوسرے کا حریف نہیں سمجھنا چاہیے۔ یہ دونوں مسلم اور مغربی دنیا میں روشن مستقبل کی تعمیر کے لیے ایک دوسرے کے معاون و مددگار بن سکتے ہیں۔

حواشی

1- Erskine Childers, "Amnesia and Antagonism", JUST, Malaysia, See Impact International, London. September 1996.

2- See James J. Lynch, Ethical Banking: Surviving in an Age of Default, Macmillan, London, 1991.

3- See R. Wilson, Banking and Finance in the Arab Middle East, Macmillan, London, 1983, N.A. Sherbiny, Oil and the Internationalization of Arab Banks, Oxford Institute of Energy Studies, 1985.

4- International Capital Markets: Developments, Prospects and Key Policy Issues by Takatoshi Itu and David Folkerts - Landau, IMF, Washington, September 1996. pp 5-6.

(اصل مقالہ دی ایسوسی ایشن آف مسلم سوشل سائنٹسٹ کی بین الاقوامی کانفرنس منعقدہ کراچی میں ۵ جنوری ۹۶ کو پیش کیا گیا۔)

سے محروم کرنے کے لیے کھلے اور چھپے جو اقدامات اور سازشیں کی گئی ہیں' سب کے سامنے ہیں۔ اگر اربکان کو "فیر" (fair) موقع ملتا تو معلوم نہیں اس ایک سال میں ترکی کہاں سے کہاں پہنچ جاتا اور امت مسلمہ میں زندگی نو کی روح دوڑ جاتی۔ جیسا کچھ موقع ملا' اس میں ریکارڈ کارکردگی کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ آج اربکان اور ان کے ساتھیوں پر کرپشن کے' مفادات حاصل کرنے کے' بنکوں سے قرضے لینے اور معاف کروانے اور ملکی معیشت تباہ کرنے کے الزامات نہیں ہیں جو مسلم دنیا کے سیکولر حکمرانوں کا طرہ امتیاز ہیں۔ حکومت کی پالیسیوں کے مثبت نتائج ظاہر ہو رہے ہیں۔ اندرونی قرضوں میں جو یکم جولائی ۹۶ کو ۳۵ ملین ڈالر تھے' اگر ماضی کی رفتار سے اضافہ ہوتا تو دسمبر۹۷ میں ۵۸ ملین ڈالر ہو جاتے لیکن دسمبر۹۶ میں ۲۲ ملین تک آ گئے اور دسمبر۹۷ میں ۱۵ ملین تک آ جائیں گے (یعنی ۴۳ ملین کی کمی)۔ متعدد واضح اقدامات کر کے' کرپشن کو بڑی حد تک قابو کر لیا گیا ہے۔ فضول اخراجات ختم کر کے ایک ہی سال میں ایک بلین ڈالر کی بچت کی گئی ہے۔ داخلی محاذ پر ہی نہیں' بین الاقوامی سطح پر بھی ۱۱ ماہ کی مختصر مدت میں غیر معمولی کارکردگی کا مظاہرہ ہوا ہے۔ ڈی۔۸ کا حالیہ اجلاس امت کی تاریخ میں ایک موثر ثابت ہو سکتا ہے۔

رفاہ کی کامیابیوں کی بنا پر کسی آیندہ انتخابات میں بہتر نتائج کی توقع کی جا سکتی ہے۔ بیرونی مبصر بھی یہی اندازے لگا رہے ہیں اور طریقہ انتخابات میں تبدیلی کی تجویز پیش کر رہے ہیں تاکہ آئندہ ۲۱ فی صد مسئلہ نہ بن سکے۔ سیکولر پارٹیوں کو متحد کرنے کی کوشش بھی جاری ہے تاکہ عدم اعتماد کے ووٹ میں کامیابی حاصل کی جا سکے۔ فوجی قیادت کسی تکلف کے بغیر ہر ممکن اقدام کر رہی ہے۔ یوں کش مکش میں اضافہ ہو رہا ہے۔

رفاہ پارٹی اور فوج کے درمیان محاذ آرائی کی فضا' دراصل اسلام اور سیکولرازم کی کش مکش ہے جو سیاسی' سماجی اور معاشی دوائر میں کھل کر سامنے آ گئی ہے۔ یہ بحث چل نکلی ہے کہ کمال ازم بحران کا شکار ہے اور سیکولر ریاست دم توڑ رہی ہے۔ کرپشن' قرضوں کی معیشت' غیر موثر حکومت' افراط زر' بے روزگاری' کم تنخواہیں' لاقانونیت' جرائم اس کے تحفے ہیں۔ لہٰذا یہ محض اربکان اور فوج کی لڑائی نہیں ہے بلکہ سیکولرازم اپنی نئی تعمیر اور از سرنو اہداف کے تعین کے لیے کوشاں ہے۔ حزب اختلاف کے اخبار "حریت" کے مدیر Ertugrul Ozkok رقم طراز ہیں: "ترکی ۱۹۲۳ میں قائم ہونے والی جمہوریہ پر معترض ہو رہا ہے۔ ایک نئی جمہوریہ وجود میں آ رہی ہے۔ یہ وقت ہے کہ اس پر کھل کر بات کی جائے"۔

جبکہ دوسری طرف اسلام' اپنے سیاسی رول پر مصر ہے۔

یہ بحث و مباحثہ' پارلیمنٹ سے نکل کر سڑکوں پر' میڈیا میں اور چائے خانوں میں پہنچ گیا ہے۔ الیکٹرانک میڈیا بھی ان بحثوں کو مناسب جگہ دے رہا ہے۔ ان موضوعات پر مذاکرے ہو رہے ہیں' سنجیدہ گفتگو کا سلسلہ چل نکلا ہے۔ صدر سلیمان ڈیمرل' جن کی حکومت کو دو بار فوج نے گرایا' ملک کے دانشور اور جہاندیدہ

انسانوں میں ان کا شمار ہوتا ہے، کہتے ہیں: "سسٹم کی تبدیلی کی بحث نہ کی جائے، اس کی اصلاح پر زور دیا جائے ورنہ بڑی قربانیاں دینی پڑیں گی"۔ ان کے بیان میں جہاں سسٹم کو بچانے کی خواہش کارفرما ہے، وہیں اس کشمکش میں کود پڑنے والوں کو قربانیاں دینے کے لیے تیار رہنے کی "خوشخبری" بھی ہے۔

جنرل Cevic Bir، ڈپٹی چیف آف شاف ہیں۔ انھوں نے رفاہ کی قیادت کو خبردار کیا کہ:

"ترک فوج ریاست کے جمہوری مزاج کی محافظ ہے۔ ہماری جمہوریت، سیکولرازم اور فرد کی آزادی اور حقوق سے عبارت ہے، ہر شہری کا فرض ہے کہ ان اصولوں کی پاسداری کرے"۔ وزیراعظم اربکان نے فوراً ہی اس کا نوٹس لیا اور اتاترک کا حوالہ دیتے ہوئے کہا: "ہمارے دستور کے تحت عوام غیر مشروط طور پر اختیارات کا سرچشمہ ہیں، کوئی ان پر زبردستی دباؤ نہیں ڈال سکتا۔ جو جمہوریت پر یقین رکھتا ہے، اسے قوم کے فیصلوں کا احترام کرنا ہوگا۔ انتخاب ہو چکے ہیں اور قوم نے اپنی رائے کا اظہار کر دیا ہے"۔

اس کشمکش کے نتیجے میں یہ بات عام ہو گئی ہے کہ سیکولرازم، عوام دشمن ہے، ان کے جذبات اور آرا کا احترام نہیں کرتا، جمہوریت کش ہے، اپنی رائے پر بضد رہتا ہے اور اسلام دشمن بھی ہے، اسے خاطر ہی میں نہیں لاتا۔

فوج کو اب تک جو پاپڑ بیلنے پڑے ہیں اور احکامات دینے کے باوجود ان کی تعمیل کا انتظار کرنا پڑا ہے اس کا سبب یہ خوف ہے کہ اگر فوج خود اقتدار میں آتی ہے اور سیاسی بساط لپٹ جاتی ہے تو رفاہ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور عوامی تائید کے پیش نظر خدشہ ہے کہ ترکی تشدد اور لاقانونیت کی طرف چل نکلے، معیشت زمین بوس ہو جائے اور معاشرہ کے تار و پود بکھر جائیں۔ الجزائر کا منظرنامہ سب کے سامنے ہے۔ خود ترکی کی تاریخ میں جب ستر کی دہائی میں رائٹ لیفٹ کی کشمکش ہوئی تھی تو روزانہ ۲۰/۲۵ افراد اوسطاً مارے جاتے تھے۔ بارہ سالہ کردوں کی بغاوت میں بھی اب تک ۲۰ ہزار سے زائد لوگ ہلاک ہو چکے ہیں۔ دانشور اور اہل قلم نرم انقلاب کے ذریعے تبدیلی کی نوید سنا رہے ہیں لیکن ہر کوئی خوفزدہ ہے کہ یہ عمل پرامن طور پر جاری رہ سکے گا یا نہیں۔

ترکی کی اسلامی پارٹی نے جمہوری اور انتخابی طریقے سے تبدیلی کا راستہ دکھایا ہے، لیکن "سیکولرازم" بہت ہی تھڑولا اور کم ظرف واقع ہوا ہے، اس میں نہ وسعت ہے اور نہ حوصلہ، اس کے پاس نہ استدلال کی قوت ہے اور نہ عوامی تائید۔ پچھلی تمام صدیوں میں دنیا بھر میں سیکولرازم ہی کا سکہ رواں رہا ہے۔ سرمایہ داری کے نام پر، سوشلزم کے نام پر، نیشنلزم کے عنوان سے یا کمیونزم کے نعروں پر۔ وقت نے اس سکے کو کھوٹا ثابت کر دکھایا ہے۔ انسانیت کے سارے دکھ اسی کے تحفے ہیں، دنیا کو سارے چرکے اسی نے لگائے ہیں۔ ترکی میں سیکولرازم کے خلاف یہ لڑائی اپنے آخری مراحل میں داخل ہو رہی ہے۔

الجزائر: انتخابات اور بعد

عبدالغفار عزیز

۵ جون کو ہونے والے انتخابات کی اصل اہمیت یہی تھی کہ یہ الجزائر میں ہو رہے تھے، لیکن ۱۹۹۲ اور ۱۹۹۷ کے انتخابات میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ اس وقت الجزائری عوام کو آزاد اور پرامن ماحول میں حق رائے دہی کا موقع دیا گیا تھا اور عوام کی ۸۰ فی صد اکثریت نے "جبہۃ الانقاذ الاسلامی" یعنی اسلامی فرنٹ (FIS) کو اپنا نجات دہندہ قرار دیا تھا۔ پانچ سال تک الجزائری عوام کو اس "جرم" کی سزا دینے کے بعد، ۹۷ کے انتخابات میں نہ آزاد ماحول تھا، نہ جان کا تحفظ تھا، اور نہ عوام کے حقیقی نمایندے میدان میں رہنے دیے گئے تھے۔ اسلامی فرنٹ کی مرکزی قیادت عباسی مدنی، علی بلحاج اور عبدالقادر حشانی سمیت ہزاروں کارکنان ۹۲ سے لے کر اب تک پس دیوار زنداں ہیں، ان کے منتخب ارکان کی اکثریت ملک بدر ہے، کارکنان کی ایک بڑی تعداد شہید کر دی گئی ہے یا لاپتہ ہے اور اسلامی فرنٹ پر قانوناً پابندی لگا دی گئی ہے۔ ظاہر ہے ان حالات میں جو انتخابی عمل ہو گا وہ عوام کے نمایندے منتخب کرنے کے لیے نہیں، عالمی پشت پناہی، میڈیا اور حکومتی وسائل کی مدد سے دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے ہو گا۔

۹۲ کے فوجی ڈاکے سے لے کر اب تک الجزائری عوام جس عذاب میں مبتلا ہیں اس کی اندوہناک بازگشت آئے دن میڈیا پر سنائی دیتی رہتی ہے۔ ۲۰ قتل، ۲۵ ذبح، ۱۰۰ گرفتار...... ہر روز کوئی نہ کوئی بڑا واقعہ یک کالمی، چھوٹی سی خبر میں چھپانے کی کوشش اخبارات کا معمول بن گیا ہے۔ اخبارات اور عالم اسلام کو یہ معلوم کرنے کی فکر ہونی چاہیے کہ آئے دن بیسیوں مسلمان کیوں لاشوں میں بدل دیے جاتے ہیں۔ کیوں اب تک ۶۰ ہزار کے قریب انسان بیرونی قوتوں کی بھڑکائی گئی آگ کا شکار ہو چکے ہیں؟ قتل ہونے والوں کی اکثریت کیوں اسلامی فرنٹ کے کارکنان کی ہوتی ہے؟ کیا وجہ ہے کہ پورے الجزائر کو میدان جنگ میں بدل دینے، جگہ جگہ ٹینکوں، بکتربند گاڑیوں اور مسلح سپاہیوں کے پہرے کے باوجود قاتل نہایت اطمینان سے آتے ہیں اور انسانوں کو ذبح کرنے کے بعد اسی اطمینان سے واپس چلے جاتے ہیں۔ اور مقتولین کے وارثوں ہی کو اپنے پیاروں کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا جاتا ہے!

یہ واقعات اتنے تسلسل، بے رحمی اور بے شرمی سے ہوئے کہ اسلام دشمن مغربی پریس بھی ان کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گیا۔ ٹیکساس یونیورسٹی کے ماہر امور مشرق وسطی کلیمنٹ ہنری اعتراف کرتے ہیں کہ "مجھے یقین ہے کہ اس دہشت گردی کے متعدد واقعات اس طور انجام دیے گئے کہ وہ اسلامی گروپوں کی کارروائی محسوس ہو، حالانکہ یہ کارروائیاں ملکی ایجنسیوں کی کارگزاری ہوتی تھیں"۔ (نیوز ویک، ۱۶ جون)

اس قتل عام کے دوسرے مکروہ مقاصد کے علاوہ ایک بڑا مقصد یہ تھا کہ اس کا الزام اسلامی فرنٹ کے سر تھوپ کر اسے بدنام کر دیا جائے' اور اسے الجزائر کی ساری بدحالی کا اصل مجرم قرار دے دیا جائے۔ دوسری طرف یہ کوشش بھی کی گئی کہ اسلامی فرنٹ یا اس کے بہی خواہوں کی طرف سے ملک میں ملی یک جہتی پیدا کرنے کی ہر کوشش ناکام بناتے ہوئے عوام کو ایسے یک طرفہ ڈراموں میں الجھا دیا جائے کہ اسلامی فرنٹ تنہا نظر آئے اور ملک میں ایک ایسا نیا سیاسی نقشہ تشکیل پا جائے جس میں فرنٹ نام کی کوئی چیز نہ ہو اور فرنٹ کی قیادت بھی اس یقین سے "دوچار" ہو جائے کہ الجزائر کی گاڑی اس سے چھوٹ گئی!

اس حکمت عملی کے تحت عام انتخابات کے نظام پر بحث چھیڑی گئی اور عام انتخابات اس انداز سے منعقد کروائے گئے کہ کسی اسلامی گروپ کی کامیابی کا خدشہ باقی نہ رہے۔ یہ احتیاط بھی کی گئی کہ انتخابات سے پہلے سیاسی پارٹیوں پر یہ قانونی پابندی عائد کر دی گئی کہ وہ اپنے نام کے ساتھ "اسلام" یا "اسلامی" طرح کا کوئی لفظ نہیں لگا سکتے۔ اسلامی فرنٹ تو پہلے ہی الیکشن سے باہر تھا اور اس سارے ڈھونگ کو مسترد کر رہا تھا' دوسری اسلامی تحریکوں مثلاً "تحریک اسلامی معاشرہ" نے اپنا نام "تحریک پرامن معاشرہ" (حماس) رکھ لیا۔ اسی طرح تحریک نہضت اسلامی نے اپنا نام صرف "تحریک نہضت" کر دیا۔

اس "احتیاطی تدبیر" کے علاوہ یہ تبدیلی بھی کی گئی کہ پولیس اور فوج کے لیے ان کے سنٹروں اور بیرکوں میں بنائے گئے انتخابی مراکز اور بدو قبیلوں کے لیے بنائے گئے گشتی انتخابی مراکز کی تعداد میں "قابل اطمینان" اضافہ کر لیا گیا۔ کیونکہ ان انتخابی مراکز میں پولنگ اور گنتی میں جھرلو کا تماشا دکھانا زیادہ آسان تھا۔ سیٹوں کی تعداد اور انتخابی حلقوں کی تشکیل نو کے ضمن میں بھی ہر طرح اپنی "تسلی" کی گئی اور پھر انتخابات کا "عظیم و تاریخی کارنامہ" انجام دے دیا گیا کیونکہ الجزائر ایک "جمہوری ملک" بن چکا ہے۔ جہاں کے عوام اپنی مرضی کی حکومت منتخب کرنے میں "آزاد" ہیں۔

ان انتخابات کے نتائج یہ رہے: کل نشستیں ۳۸۰' صدر کی پارٹی نیشنل ڈیموکریٹک ریلی: ۱۵۵' تحریک پرامن معاشرہ (حماس): ۶۹' ۴ آزاد شامل ہونے سے' ۷۳۔ نیشنل لبریشن فرنٹ: ۶۴' تحریک نہضت: ۳۴' باقی مختلف پارٹیاں: ۵۸

ان نتائج سے یہ اہم حقیقت سامنے آتی ہے اور اس پر عالمی مبصرین نے حیرت کا اظہار بھی کیا ہے' کہ اگرچہ حکومت نے ساری "احتیاطی تدابیر" اختیار کیں' اسلامی فرنٹ کو غیر قانونی قرار دے دیا گیا لیکن پھر بھی اسلام کی شناخت رکھنے والی پارٹیوں کو ۱۰۷ نشستیں حاصل ہو گئیں۔ ان پارٹیوں کو صرف اس لیے انتخابات میں شرکت کی اجازت دی تھی تاکہ مسلم دنیا کو دکھا سکیں کہ انتخابات منصفانہ تھے' ہم نے اسلامی پارٹیوں کو بھی الیکشن کا موقع دیا لیکن عوام نے ہی انھیں مسترد کر دیا (واضح رہے کہ ۹۴ کے الیکشن میں "حماس" کو

صرف پانچ نشستیں ملی تھیں اس لیے اس سے حکمرانوں کو یہ خطرہ نہیں تھا کہ وہ اسلامی فرنٹ کی طرح بھاری اکثریت حاصل کر سکے گی) لیکن یہ کیا ہوا کہ غیر خطرناک پارٹیاں بھی اتنی نشستیں لے گئیں۔

ان ۱۰۷ نشستوں کی یہی توجیہ کی جا سکتی ہے کہ تمام گرفتاریوں، قتل عام، الزامات اور پراپیگنڈے کے باوجود، اسلام اور اسلامی پارٹیوں سے الجزائری عوام کی محبت و تائید ختم نہیں کی جا سکی۔ اب بھی اگر اسلامی فرنٹ کو موقع دیا جاتا یا الیکشن منصفانہ ہوتے تو پارلیمنٹ میں اسلام پسند ہی بھاری اکثریت حاصل کرتے۔ ایک اور اہم حقیقت یہ بھی سامنے آئی ہے کہ انتخابات کے تمام تر دھوم دھڑکے کے باوجود اسلامی فرنٹ کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ "کوئی فیصلہ، کوئی مذاکرات، کوئی جمہوریت، کوئی امن و سلامتی فرنٹ کے قائدین عباسی مدنی اور علی بلحاج کو قومی دھارے میں شامل کیے بغیر ممکن نہیں ہے"۔ (نیوز ویک، ۱۹ جون ۹۷ء)

اسلامی فرنٹ کی قیادت کا یہ دو ٹوک اور واضح پیغام الجزائری عوام کے اس خدشے کو زبان دے رہا ہے کہ "الیکشن کا نتیجہ جو بھی ہو، ملک میں قتل و غارت جاری رہے گا" کیونکہ اسلامی فرنٹ ابھی تک لوگوں کے دلوں میں ہے، اور اسے عوام کے دلوں سے نکالنے کے لیے حکومت مزید قتل عام، دھماکے، گرفتاریاں اور خون ریزی جاری رکھے گی۔ الیکشن کے نتائج کو ابھی دو روز بھی نہیں گزرے کہ دارالحکومت سے ۲۵ کلومیٹر دور "برج البحریہ" میں ایک بم دھماکے نے پورا علاقہ دہلا دیا۔

جہاں تک حالیہ الیکشن کی ساکھ کا تعلق ہے تو اس پہ ایک الجزائری تاجر کا یہی تبصرہ کافی ہے کہ "اگر حکومت کو الیکشن کے نتائج کا پہلے سے پتا نہ ہوتا تو وہ کبھی یہ الیکشن نہ کرواتی"۔ خود اقوام متحدہ کی طرف سے الیکشن کی نگرانی کے لیے آئی ہوئی ٹیم نے اپنی رائے کے اظہار کے لیے جو پریس کانفرنس بلائی تھی، وہ عین موقعے پر یہ کہہ کر منسوخ کر دی کہ "انتخابات کے منصفانہ ہونے کا فیصلہ ہم الجزائری عوام پر چھوڑتے ہیں"۔ بعد میں اس ٹیم کے ایک رکن نے اپنا نام خفیہ رہنے کی شرط پر بتایا کہ دیہی علاقوں میں ہونے والی پولنگ کے متعلق ہمیں متعدد اعتراضات ہیں۔ واضح رہے کہ حکومتی اعلان کے مطابق دور دراز علاقوں میں پولنگ ۱۰۰ فی صد رہی۔ اسی کمیٹی کے ایک اور رکن نے کہا کہ "ہماری ٹیم کو فوجی بیرکوں اور پولیس تھانوں میں بنے انتخابی مراکز اور گشتی مراکز کی پولنگ دیکھنے کا موقع نہیں دیا گیا"۔

اب الیکشن کے بعد صدر نے سابقہ وزیراعظم یحییٰ ہی کو نئی حکومت بنانے کی دعوت دی ہے۔ واضح رہے کہ نئے قوانین کے مطابق وزیراعظم کا تقرر منتخب ارکان میں سے یا ان کے ذریعے نہیں، صدارتی فرمان کے مطابق ہو گا۔ دونوں اسلام پسند پارٹیوں: حماس جس کے قائد شیخ محفوظ نحناح ہیں اور تحریک نہضت جس کے قائد شیخ عبداللہ جاب اللہ ہیں، نے ابھی تک اپنے کردار کا اعلان نہیں کیا۔ اگر دونوں مل کر اپوزیشن کا کردار سنبھال لیں تو حکومت کے لیے مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔ لیکن امکان یہ ہے کہ اسلامی فرنٹ سے اختلافات کے باعث دونوں پارٹیاں یا کم از کم محفوظ نحناح کی پارٹی حکومت کے ساتھ اتحاد یا سمجھوتہ کر لے گی۔

رسائل و مسائل

راہ ہدایت پر

نماز باقاعدگی سے پڑھتی ہوں اور اسلام کا تھوڑا بہت مطالعہ کرتی رہتی ہوں جس سے مجھے ذہنی سکون ملتا ہے۔ میرے والدین مجھے کہتے رہتے ہیں کہ کتابوں کے علاوہ مجھے قرآن کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔ میں نے آخری پارے سے شروع کیا تھا۔ تفہیم القرآن سے اسے سمجھ کے پڑھا تھا۔ پچھلے دنوں میں نے آپ کی کتاب Way to the Quran پڑھی۔ اس میں قرآن کو پڑھنے اور سمجھنے کا جو طریقہ آپ نے تجویز کیا ہے وہ مجھے بہت اچھا لگا ہے۔ ان شاء اللہ آیندہ اس کے مطابق قرآن کا مطالعہ کروں گی۔

اسلام کی طرف لوٹنے کے بعد مجھے اس بات کا احساس ہوا ہے کہ مسلمان ہونا محض انفرادی فعل نہیں ہے' اجتماعی ہے۔ میں خود پردہ نہیں کرتی ہوں لیکن جب میں کسی اور لڑکی کو حجاب میں دیکھتی ہوں تو مجھے اچھا لگتا ہے۔ اسی طرح جب ٹی وی پر مسجد میں جماعت کی تصویر آتی ہے تو دل خوش ہوتا ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ مجھے دعوت کے کام کے بارے میں سوچنا چاہیے۔ اس بات پر میں آپ سے متفق نہیں ہوں۔ میرے خیال میں اوروں کو ٹھیک کرنے سے پہلے اپنے آپ کو ٹھیک کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں صحیح راستے پر آگئی ہوں' لیکن ابھی مجھے بہت طویل فاصلہ طے کرنا ہے۔ دعا کیجیے میری رفتار تیز ہو جائے۔ پھر شاید اس قابل ہو جاؤں کہ دوسروں کو راستہ دکھاؤں۔

میں پی ایچ ڈی کر رہی ہوں۔ تحقیقاتی مقالے کا موضوع میں نے مقبوضہ کشمیر رکھا ہے۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ وہاں مذہب' نسل پرستی اور سیاست کا آپس میں کیا رشتہ ہے۔ بہت دلچسپ موضوع ہے کیونکہ اس میں نہ صرف کشمیر کی تاریخ اور سیاست شامل ہے' بلکہ پاکستان اور بھارت کی بھی۔ اس کے علاوہ کشمیر میں مذہب کے اثر پر ریسرچ کرتے ہوئے میں نے موجودہ اسلامی احیا پر جو پوری اسلامی دنیا میں پھیلا ہوا ہے' کافی کچھ پڑھا ہے۔ ظاہر ہوتا ہے کہ مغرب اب کمیونزم کی جگہ اسلام کو ہوا بنا رہا ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ تقریباً ہر مسلمان ملک میں لوگ مغرب کو مسترد کر رہے ہیں اور ان میں اسلامی حکومت قائم کرنے کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے قائدین کو توفیق دے کہ وہ اس

موقع کو ضائع نہ کریں (آمین)۔

میں نے کچھ عرصے کے لیے نماز پڑھنا کافی کم کر دیا تھا۔ اس کے پیچھے سوچ یہ تھی کہ جب تھکی ہوئی ہوتی ہوں، یا کوئی کام طاری ہوتا ہے، تو نماز توجہ سے نہیں پڑھتی ہوں، پھر وہ محض ایک رسم ہو جاتی ہے۔ ایسی نماز پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ لیکن میں نے دیکھا کہ شرط لگانے سے میری نمازیں بہت کم ہو رہی تھیں۔ میری امی کی ایک بات نے مجھے احساس دلایا کہ میں غلط کر رہی ہوں۔ انھوں نے کچھ ایسی بات کی کہ نماز صرف میرے لیے نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ یعنی یہ کہ نماز پڑھنا ایک فرض ہے، جسے ہر صورت میں ادا کرنا چاہیے۔ اس کے بعد میں نے پھر سے باقاعدگی سے پڑھنا شروع کی، اور میں نے دیکھا کہ میں جو سوچ رہی تھی، وہ الٹی منطق تھی۔ نماز پڑھنے کے بعد سکون ملتا ہے۔ یہ شرط لگانا کہ پہلے ذہنی سکون ہو، پھر نماز پڑھی جائے، غلط ہے۔

اسلام کے راستے پر واپس آنے کے بعد مجھے بس یہی مسئلہ درپیش ہے۔ نماز تو پڑھتی ہوں لیکن اب بھی بہت سے فرائض میں پورا نہیں کرتی، مثلاً مکمل پردہ۔ ان شاء اللہ ایک دن مجھے اسلام کے بقیہ فرائض ادا کرنے کی توفیق ہوگی۔ لیکن فی الحال میں نے slow & steady کا motto اختیار کیا ہوا ہے۔ پہلے اپنے آپ کو اندر سے مضبوط بنانے کی کوشش کر رہی ہوں۔ باہر کی مضبوطی بھی ان شاء اللہ خود بخود ہو جائے گی۔ مجھے پتا ہے کہ یہ مضبوطی صرف مطالعہ سے آئے گی، ویسے نہیں۔ اس لیے کوشش کرتی ہوں کہ اسلام کے بارے میں کچھ نہ کچھ پڑھتی رہوں۔ اسلام پر کسی بھی کتاب پڑھنے سے فائدہ ملتا ہے، لیکن کبھی کبھار ایسی کتاب ملتی ہے جس سے جذبہ ملتا ہے۔ میں جاننے والوں سے پوچھتی رہتی ہوں اگر انھوں نے کوئی ایسی کتاب پڑھی ہو تو مجھے بتا دیں، آپ سے بھی یہی گزارش ہے۔

بندگی کا ہر کام اپنے ہی فائدے کے لیے ہوتا ہے۔ اللہ کو تو اس سے کچھ نہیں ملتا۔ اپنا فرض ادا کر دینا بھی انسان کی مسرت اور تربیت کا بڑا ذریعہ ہے۔ باقی رہیں دل کی کیفیات تو وہ گھٹتی بڑھتی رہتی ہیں۔ کوشش کرنا تمھارا کام ہے کہ نماز میں توجہ برقرار رہے، یہ کیفیت حاصل ہو جائے، یہ تمھارے بس میں نہیں۔ جو کام اپنے بس اور اختیار میں ہے وہ کر دینا چاہیے۔ باقی اللہ توفیق دے گا۔ نمازیں حکم الٰہی کی تعمیل، اللہ کو یاد کرنے اور اس کے قریب ہونے کی نیت سے پڑھو۔ نیت باندھنے سے پہلے ہی یہ سوچنے کی کوشش کرو کہ اللہ سے بات کر رہی ہوں۔ جو زبان سے بولو، دل میں ان کے معنی دہرا لو۔ ان شاء اللہ نماز تمام ذہنی تکلیفوں اور پریشانیوں کا علاج کرے گی۔ حضورؐ کے بارے میں آتا ہے کہ جب کوئی بات آپ کو پریشان کرتی تو آپؐ نماز پڑھتے۔

اخبار امت

ترکی: سیکولرازم نہیں‘ اسلام

سید منور حسن

ترکی خلافت اسلامیہ کا گہوارہ رہا ہے۔ آج بھی پوری امت کے لیے اس کے نام میں کشش اور جاذبیت ہے۔ ۱۹۲۳ء میں کمال اتاترک نے آکر اس کا رشتہ ماضی سے کاٹ دیا۔ لیکن اب گذشتہ چند سالوں سے وہاں قسطنطنیہ کی فتح کا جشن منانے کا آغاز ہوا ہے۔ اسلام کا نام لینا منع ہے اس لیے ۳۰ مئی کو ترک‘ جشن استنبول کے نام پر دنیا بھر سے مہمان بلاتے ہیں اور اپنے اسلامی جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔

ترکی میں سیکولرازم کی علامت اتاترک ہے۔ اس کی شخصیت پرستی (personality cult) شمالی کوریا کی طرح اپنے عروج پر ہے۔ ہر سال دس نومبر کی صبح نو بج کر پانچ منٹ پر سارے ترک ایک منٹ کے لیے خاموش ہو جاتے ہیں۔ یہی وہ لمحہ ہے جب جدید ترکی کا بانی اتاترک ۱۹۳۸ء میں اس دنیا سے رخصت ہوا تھا۔ کمال اتاترک کی تصویر ہر بنک نوٹ پر‘ ہر سکے پر اور ڈاک کے ہر ٹکٹ پر موجود ہے۔ قانوناً اس کی تصویر تمام پبلک مقامات پر اور دفاتر میں آویزاں کرنا ضروری ہے۔ اسکولوں میں بچوں کو کمال ازم کی تعلیم دی جاتی ہے۔

۲۴ دسمبر ۱۹۹۵ء کے گذشتہ انتخابات کے بعد رفاہ پارٹی اور ٹروپاتھ پارٹی کی موجودہ مخلوط حکومت نے ۸ جولائی ۱۹۹۶ء سے اپنی مدت کا آغاز کیا۔ رفاہ پارٹی کو بجا طور پر اسلامی پارٹی کہا جا سکتا ہے۔ چلر کی ٹروپاتھ پارٹی کے علاوہ دوسری سنٹر رائٹ‘ مدر لینڈ پارٹی ہے۔ سنٹر لیفٹ کا اطلاق ڈیما کریٹک لیفٹ اور ری پبلکن پارٹی پر ہوتا ہے۔ کچھ چھوٹی پارٹیاں بھی ہیں۔

ترکی کے منظر نامے پر اس وقت ہر طرف اسلام اور سیکولرازم کی کش مکش کے مظاہر نظر آتے ہیں۔ سیکولرازم کے محافظ فوجی جنرلوں کو‘ ملک کے دستور کے تحت‘ انتخابات کے ذریعے‘ حق حکمرانی حاصل کرنے والی رفاہ پارٹی کو معاہدے کے تحت اڑھائی سال دینا گوارا نہیں ہے۔ انھیں پاؤں کے نیچے سے زمین کھسکتی محسوس ہو رہی ہے۔ ایک سال پورا کرنا بھی مشکل کر دیا گیا ہے۔ وزیراعظم اربکان کو ناکام کرنے اور اقتدار

اور لکھیں۔ بہت سوں سے کہتا رہتا ہوں۔ اب تک کوئی آگے نہیں بڑھا۔ اس وقت تو میں تمھیں اس پر پڑھنے کا مشورہ نہیں دوں گا۔ تمھاری پی ایچ ڈی کا حرج بھی ہو گا۔ دوسرے' محمد رسول اللہؐ پر اعتماد و یقین کی فراوانی بھی ضروری ہے۔ ورنہ تم بھٹک بھی سکتی ہو۔ ویسے مغرب کی چیزیں پڑھنا چاہییں۔

آخری بات! اپنے کو کبھی بیکار نہ "سمجھنا" نہ کہنا۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کے خلاف جاتی ہے۔ کیا وہ کوئی چیز بے کار پیدا کرے گا؟ رحمٰن و رحیم ہے' شفیق و مہربان ہے' رب ہے' پرورش کرتا ہے' تم کو اتنا کچھ بخشا ہے۔ اگر وہ تم کو اتنا کچھ نہ دے کہ اس کے امتحان میں کامیاب ہو سکو' تو یہ اس کی رحمت اور عدل کے خلاف ہو گا۔ اور ایسا ہو نہیں سکتا۔ وہ تو بہت کچھ دیتا ہے۔ ہاتھ پکڑ کر بھی اپنی طرف چلاتا ہے۔ ویھدی الیہ من ینیب۔ ہم لوگ ہی ہاتھ پاؤں توڑ کر اور مایوس ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ تم تو میری بہت قیمتی بیٹی ہو کہ کھونے کے بعد ملی ہو۔ اتنی اچھی طرح اللہ کی راہ پر چل رہی ہو' ان شاء اللہ چلتی رہو گی۔ یہ تمھارے والدین کی محبت اور ان کا فیض ہے۔ میرا تو کچھ زیادہ دخل بھی نہیں۔ تم نے مجھے بھی اس زمرہ میں شامل کر لیا' یہ میرے لیے مسرت و لذت کا سامان ہو گیا۔

دعوت کے بارے میں جو بات تم نے کی ہے تو میں تو کسی کے اختلاف کا برا نہیں مانتا۔ لیکن دو باتوں پر سوچنا: ایک یہ کہ کیا زندگی میں کبھی ایسا مقام آئے گا جب تم کہو کہ میں نے اپنے کو ٹھیک کر لیا۔ جس دن تم یہ سوچو گی--- یہ زعم و غرور ہو گا' اور بربادی کا پہلا قدم--- اور اتنا ٹھیک کہ اب دوسروں کو ٹھیک کر سکوں' یہ بہت ہی گناہ کی بات ہو گی۔ دعوت کی اصل روح ہے کہ میں بھی مسکین و محتاج ہوں۔ اپنے رب کی طرف جا رہی ہوں اور تم بھی۔ اللہ کے راستے کی طرف بلانے کا فرض ادا کرنا سب سے بڑی توفیق ہے۔ دعوت سے تمھارا اپنا عمل اور ایمان بھی مضبوط ہو گا۔ (خرم مراد' اکتوبر ۹۶)

مذہبی جماعتوں کی ناکامی

گذشتہ انتخابات کے بعد یہ کہا جانے لگا ہے کہ پاکستان کے عوام نے مذہبی جماعتوں کو مسترد کر دیا ہے' آپ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

مذہبی جماعتوں سے ہماری مراد کیا ہے؟ ہمارے ہاں مذہبی جماعت اس تنظیم کو کہتے ہیں جو کسی فقہی مسلک کی بنیاد پر اپنے تشخص اور سرگرمیوں کو پیش کرے۔ چنانچہ ہمارے ہاں جو جماعتیں ہیں ان میں بعض اپنے آپ کو جمعیت علماے اسلام یا جمعیت علماے پاکستان یا مرکزی جمعیت اہلحدیث یا پھر تحریک جعفریہ کے نام سے پکارنا پسند کرتی ہیں۔ ان جماعتوں میں ان کے مسلک کا اظہار قدر مشترک ہے۔ ہم انھیں عام طور پر مذہبی جماعتوں کی ایک عمومی فہرست میں رکھ دیتے ہیں لیکن ان مذہبی جماعتوں میں بھی انسانی طبیعتوں کے اور انسانی فکر کے مختلف ہونے کی بنا پر بعض ذیلی جماعتیں بھی بن گئی ہیں۔ جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ وہ دیوبندی فکر سے وابستہ

ہیں وہ بھی اپنے آپ کو مزید تقسیم کر لیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہمارا تعلق فلاں مولانا کی حزب سے ہے۔ دوسرے کہتے ہیں کہ ہم مسلکی طور پر اتفاق کے باوجود فلاں کی تعبیر اور سیاسی سوجھ بوجھ اور قیادت کو قبول کرتے ہیں۔ گویا جمعیت علماے اسلام ہو یا جمعیت علماے پاکستان دونوں میں ذیلی احزاب پائی جاتی ہیں اور وجہ محض فقہی تعبیر کا اختلاف نہیں، شخصیات کا ٹکراؤ ہے۔ مجموعی طور پر دونوں جماعتوں کا تشخص اور بنیاد فقہ حنفی، بریلوی یا دیوبندی مکتب فکر سے ہے لیکن شخصی اختلافات نے انھیں مزید ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ گویا مذہبی جماعتوں سے مراد وہ جماعتیں لی جائیں گی جو ایک خاص مسلک اور ایک خاص شخصیت اور ایک خاص تعبیر کو اپنی پہچان سمجھتی ہوں۔ اس تعریف کی روشنی میں اگر معروضی جائزہ لیا جائے تو جس جماعت کو جماعت اسلامی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے وہ اس تعریف میں نہیں آتی، یعنی اس کا کوئی فقہی مسلک نہیں ہے۔ اس نے کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ ہم اہل حدیث، بریلوی، دیوبندی یا شیعہ حضرات کی جماعت ہیں بلکہ اس کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ اس کے اندر تمام مسالک کے افراد شامل رہے ہیں۔ اس کی تاسیس سے لے کر آج تک اس کے ارکان میں وہ افراد شامل رہے جو دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث اور جعفری مسلک پر عمل کرتے تھے۔ جماعت اسلامی کو اس نوع میں لانا میری نگاہ میں ایک بنیادی غلطی ہو گی۔

اس تعریف کی روشنی میں جن جماعتوں کو مذہبی قرار دیا جا سکتا ہے، ان جماعتوں کی ناکامی یا کامیابی کا معیار کیا ہونا چاہیے؟ اس سلسلے میں پانچ نکات قابل غور ہیں:

اول، ان مذہبی جماعتوں کی کامیابی یا ناکامی کیا اس بنا پر ہونی چاہیے کہ انھوں نے اپنے فقہی مسلک کو رائج کرنے میں کس حد تک کامیابی حاصل کی؟ اگر بنیاد یہ ہے تو ہمیں یہ دیکھنا ہو گا کہ جو جماعتیں بریلوی، دیوبندی، اہل حدیث یا جعفری مسلک کی بنا پر قائم ہیں، کیا بطور جماعت وہ اپنے مسلک کی ترویج و اشاعت یا نفاذ میں آگے بڑھ سکیں؟ اگر ایسا ہے تو مسلک کی اشاعت و ترویج کسی بھی مذہبی جماعت کے کامیاب یا ناکام ہونے کا معیار بن سکتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر یہ جماعتیں تقسیم در تقسیم کا شکار ہوتی گئی ہوں تو ہمیں غور کرنا پڑے گا کہ ہمارا معیار کیا ہو؟

دوئم، یہ جماعتیں کس حد تک بحیثیت ایک تنظیم، ایک جماعت یا ایک منظم گروہ، اپنے آپ کو عوام الناس میں مقبول بنا سکیں؟ یعنی کیا ایسا ہے کہ ہمارے عوام الناس خواہ فقہ جعفری سے تعلق رکھتے ہوں یا بریلوی، دیوبندی اور اہل حدیث فقہ سے، وہ بعض مذہبی جماعتوں کو اپنی قیادت، رہنمائی اور اعتماد کا زیادہ مستحق سمجھتے ہیں اور بعض کے بارے میں یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ان کی قیادت کی ذمے داریاں پوری نہیں کر سکتیں؟

تیسری بنیاد جو کامیابی یا ناکامی جانچنے کی ہو سکتی ہے وہ یہ کہ ان جماعتوں نے کہاں تک عالمی سطح پر امت مسلمہ یا اس امت کے لیے جو پاکستان میں پائی جاتی ہے، مختلف مسائل پر ایک موقف اختیار کیا ہے اور اس

موقف کو کہاں تک عوامی مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ کیا مذہبی جماعتوں نے یہ کوشش کی کہ وہ مہنگائی، احتساب، فحاشی اور ان چیزوں کو جن کو قومی ایشوز کہا جا سکتا ہے، جن کا تعلق عوام کی فلاح و بہبود سے ہے، ان کی بقا سے ہے، ان کے مستقبل سے ہے، ایسے ایشوز کو ایک مہم کی شکل دیں۔

چہارم، وہ مذہبی جماعتیں جو اپنے آپ کو عوام کا نمایندہ بھی کہتی ہیں، انھوں نے کس حد تک ملی اتحاد اور خاص طور پر مذہبی شدت پسندی کو کم کرنے کا کام کیا ہے؟ مذہبی جماعتوں نے اپنے آپ کو اس حیثیت سے پیش کیا ہے کہ وہ نہ صرف فقہی مسلک ہیں بلکہ عسکری قوت بھی رکھتی ہیں اور ان کی قوت بازو اور ان کے عضلات الحمدللہ بڑے قوی ہیں، انھوں نے کس پہلو کو اجاگر کیا ہے؟ ان کا رجحان کیا، محبت کا ہے؟ اخوت کا ہے یا یہ جھکاؤ؟ ٹکراؤ، توڑ پھوڑ، انتشار، نفرت کی طرف ہے؟

پنجم، کیا مذہبی جماعتوں کی کامیابی یا ناکامی کا تعلق انتخابات میں ووٹ حاصل کرنے سے ہے۔ جو حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ وہ مذہبی جماعت ہونے کے باوجود سیاسی میدان میں کامیاب نہ ہو سکے۔ وہ اعداد و شمار کے ساتھ اس کی تعبیرات پیش کرتے ہیں۔ یہ کچھ اس طرح ہے کہ ۱۹۷۰ سے آج تک اگر آپ جائزہ لیں تو آپ کو یہ معلوم ہو گا کہ غالباً ۲۵ سے ۳۰ فی صد عوام کے ووٹ ایسے ہیں جو یا تو مذہبی جماعتوں کے لیے یا ان جماعتوں کے لیے جو مذہبی جماعتیں ہونے کا دعویٰ نہیں کرتیں، استعمال ہوتے رہے ہیں۔

ان اعداد و شمار کو سامنے رکھتے ہوئے اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے شاید اس ووٹ بنک میں بعض مذہبی جماعتوں کی انفرادی حیثیت میں کمی واقع ہوئی ہے۔ لیکن انفرادی کمی کیا جماعتی ناکامی ہے؟ یہ کہنا بڑا مشکل ہے۔ اس کا سبب بنیادی طور پر یہ ہے کہ ہمارے ہاں چاہے کسی ایک مذہبی جماعت کو انفرادی حیثیت میں ووٹ پہلے کی نسبت کم ملے ہوں یا کچھ زیادہ ملے ہوں، لیکن ان کا جو سیاسی کردار پاکستان کی مجموعی سیاست میں ہے، اس میں لازمی طور پر ایک کمی واقع ہوئی ہے اور اس کے اسباب بہت سے ہیں۔

اس کا ایک اہم بنیادی سبب یہ ہے کہ ہماری مذہبی جماعتیں یہ سمجھتی رہی ہیں کہ ہمارے ملک کی سیاست میں لوگوں کے سامنے انتخاب، اسلام اور غیر اسلام میں ہے۔ جب کہ حقیقت واقعہ اس سے بہت مختلف ہے۔ ہمارے ملک کی کوئی سیاسی جماعت یہ نہیں کہتی، ہم اسلام دشمن ہیں، ہم اسلام نہیں چاہتے یا ہم اسلامی نظام کو نہیں آنے دیں گے بلکہ جتنی بھی جماعتیں ہمارے ہاں پائی جاتی ہیں، ان کا جو نام بھی آپ رکھ لیں، مسلم لیگ ہو، حتیٰ کہ پیپلز پارٹی ہو وہ بھی یہ نہیں کہتی کہ ہم اگر برسراقتدار آگئے تو اسلام کو ملک بدر کر دیں گے۔ اس کے برخلاف آپ دیکھیں کہ جن افراد کو یہ کہا جاتا ہے وہ سیکولرازم اور اشتراکی فکر کے نمایندے ہیں، انھوں نے دینی وجوہات کی بنا پر نہیں، خالص سیاسی وجوہات کی بنا پر وہ اقدامات کیے جو اگر مذہبی جماعتیں برسراقتدار ہوتیں تو کرتیں۔ یعنی قادیانوں کا غیر مسلم قرار دیا جانا، جمعہ کی تعطیل کا اعلان کیا جانا، یا

ملک میں سرکاری طور پر شراب کی بندش۔ کہا جا سکتا ہے کہ یہ چیزیں کسی مذہبی جماعت کو علامتی طور پر نافذ کرنا چاہیے تھیں لیکن ان کو نافذ کرنے والی جماعت مذہبی نہیں تھی۔

"کیا مذہبی جماعتیں ناکام ہیں؟" اس کا تعلق اس چیز سے بھی ہے کہ ہم یہ جائزہ کس سیاق و سباق میں لے رہے ہیں۔ کیا ایسا ہے کہ ہمارے ہاں مذہبی جماعتوں کا صرف ایک اتحاد اور پلیٹ فارم بنا ہو اور جو جماعتیں مذہبی ہونے کا دعویٰ نہیں کرتیں، ان کا ایک پلیٹ فارم بنا ہو اور انتخابات میں مذہبی جماعتیں ایک طرف ہوں اور غیرمذہبی جماعتیں دوسری طرف ہوں۔ پیپلزپارٹی کی جگہ لینے کے لیے جو ۹ جماعتوں کا اتحاد بنا، کیا وہ سب مذہبی جماعتوں کا اتحاد تھا؟ گذشتہ دو انتخابات میں پیپلزپارٹی کا ساتھ جن جماعتوں نے دیا کیا وہ جماعتیں سیکولر جماعتیں تھیں؟ ہم دیکھتے ہیں کہ پی پی پی جس کو سیکولر کہا جاتا ہے ان کے ساتھ بھی، اور جنھیں آپ سیکولر نہیں کہتے ان کے ساتھ بھی، مسلکی اور مذہبی جماعتیں برابر کی شریک رہیں۔ اس لیے معروضی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے ہاں مقابلہ کبھی اسلام کا اور غیر اسلام کا نہیں تھا کہ جس کی بنا پر یہ کہہ سکیں کہ فلاں انتخاب میں مذہبی جماعتیں ناکام ہو گئیں۔ کیا یہ حقیقت واقعہ نہیں ہے کہ پیپلزپارٹی اور مسلم لیگ کے ساتھ مسلکی جماعتوں نے اتحاد کیا۔ حالیہ انتخابات میں جمعیت اہل حدیث کا جمعیت علماے اسلام، جمعیت علماے پاکستان اور تحریک فقہ جعفریہ نے ان سیاسی جماعتوں کا ساتھ دیا، جنھیں ہم مذہبی کی تقسیم میں شمار نہیں کرتے۔ ان حالات میں کیا یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ یہ کامیابی تنہا ایک جماعت کا کارنامہ تھا اور مذہبی جماعتیں اس میں شامل نہ تھیں۔ گویا مذہبی جماعتوں کی وہ تقسیم جو ہم نے ذہن میں کر رکھی ہے، عملاً نہیں ہے، حقائق اس کے خلاف ہیں۔ یہ کہا جا رہا ہے کہ انتخابات نے طے کر دیا ہے کہ مذہبی جماعتوں کا کوئی مستقبل نہیں ہے اور لوگوں نے ان کو ختم کر دیا ہے۔ اس میں کم از کم حقائق کی روشنی میں مجھے کوئی بنیاد نظر نہیں آتی کیونکہ جو بھی انتخابات آج تک ہوئے ہیں ان میں سے ہر انتخاب میں مذہبی جماعتوں نے اپنے آپ کو کسی کے ساتھ وابستہ کیا ہے اور اس وابستگی کے اثرات بھی پڑے ہیں اور اس وابستگی کو کیش بھی کیا گیا ہے۔ ان جماعتوں کے جہاں جہاں حلقہ اثر ہیں وہاں سیاسی عمل ہوا ہے اور ان کو وہاں پر مقبولیت بھی حاصل رہی ہے۔ اور ان کی اہمیت باقی رہی ہے۔ یہ کہنا کہ انتخابات میں عوام نے مذہبی جماعتوں کے مقابلے میں دوسروں کو ووٹ دیے اور انھیں رد کر دیا، کم از کم حقائق پر مبنی نہیں ہے۔ (ڈاکٹر انیس احمد)

Snowhite

DRY CLEANING INDUSTRIES

Karachi – Multan – Lahore – Rawalpindi

Steps ahead in drycleaning ___ always

ہیڈ آفس:	عبداللہ ہارون روڈ	5681724, 5685124-3
شاخیں:		
کراچی:	سنو وہائٹ چیمبرز سینٹرل کمرشل ایریا، بہادر آباد	4933690
	عثمان منزل، محمد بن قاسم روڈ (برنس روڈ)	213336
	کلفٹن عقب میکسزم	573298
	ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی برانچ	5845142
	گرومندر، نیو ٹاؤن	4910521
	گارڈن روڈ نزد بمبینو سینما	7730301
	پاریا اسٹریٹ کھارادر	204175
	سنو وھائٹ کمپلیکس شارع فیصل / شہید ملت روڈ	4541258
	کارپٹ کلیننگ ڈویژن	5685124
	24 کمرشل اسٹریٹ فیز II ایکسٹینشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی	543451
	گلشن اقبال	471676
ملتان:	خان پلازہ، کینٹ	40538
لاہور:	لبرٹی مارکیٹ، بالمقابل لبرٹی پلازہ	874933
	ڈیفنس، مسجد چوک	
	کارپٹ کلیننگ ڈویژن	871366
راولپنڈی:	مال روڈ، الامین پلازہ، بالمقابل کنٹونمنٹ بورڈ آفس ایئرپورٹ روڈ	567988

Snowhite

DRY CLEANING INDUSTRIES

Karachi – Multan – Lahore – Rawalpindi

7:3

کتاب نما

تفہیم القرآن، سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ۔ فارسی ترجمہ، جلد اول، مترجم: کلیم اللہ متین (نظرثانی: سید احمد مودودی چشتی)۔ صفحات: ۴۲۸۷۔ جلد دوم: کلیم اللہ متین۔ صفحات: ۱۰۱۳۔ جلد سوم: ڈاکٹر آفتاب اصغر۔ صفحات: ۱۱۶۴۔ جلد چہارم: سید نیاز محمد ہمدانی۔ صفحات: ۹۳۹۔ جلد پنجم: سید نیاز محمد ہمدانی۔ صفحات: ۸۵۰۔ جلد ششم: کلیم اللہ متین (نظرثانی: سید احمد مودودی چشتی)۔ صفحات: ۶۷۸۔ قیمت، مکمل سیٹ: ۲ ہزار روپے۔

اگرچہ ایرانی فضلا اور دانش وروں کے ہاں اس کا ذکر بہت کم آیا ہے مگر ۱۹۷۹ کے انقلاب ایران کے پس منظر میں مولانا مودودیؒ کی تحریروں کے اثرات بھی یقیناً کارفرما رہے ہیں۔ انقلاب سے پہلے مولانا کی بیسیوں تصانیف فارسی میں ترجمہ ہو کر، ایران میں نشر ہو چکی تھیں۔ لیکن بیشتر کتابیں تصانیف مودودی کے عربی تراجم سے فارسی میں منتقل ہوئی تھیں اور ان پر ایرانی مترجمین نے بعض حواشی کا اضافہ بھی کر دیا تھا۔ انقلاب کے بعد ان کی طلب بڑھی تو دارالعروبہ نے مولانا کی اصل اردو تحریروں سے فارسی تراجم کا اہتمام کیا اور اب دو چار کے سوا، مولانا کی جملہ تصانیف فارسی قالب میں ڈھل چکی ہیں۔

سید مودودیؒ کی "تفہیم القرآن" نے بلاشبہ لاکھوں اردو قارئین کو متاثر کیا۔ شاید ہی کسی اور اردو تفسیر نے قرآن فہمی کے ضمن میں ذہنوں پر ایسے گہرے اور اتنے وسیع اثرات مرتب کیے ہوں گے۔ دنیا کی متعدد زبانوں میں اس کے تراجم ہو چکے ہیں---- انقلاب ایران کے بعد ترجمہ تفہیم کی اشد ضرورت محسوس کی گئی۔ اس منصوبے میں دارالعروبہ کے جناب فیض الرحمٰن ہمدانی کی کاوشوں کو بنیادی دخل رہا ہے۔ کسی مناسب مترجم کی تلاش میں، وہ بارہا ایران اور افغانستان گئے۔ حزب اسلامی افغانستان کے رہنما برہان الدین ربانی نے ان کا تعارف افغان ادیب اور شاعر کلیم اللہ متین سے کرایا۔ ان کا ترجمہ مولانا خلیل حامدی صاحب نے بھی پسند کیا اور متین صاحب ان کے ایما پر پشاور سے منصورہ، لاہور آگئے اور متذکرہ بالا منصوبے پر کام کا آغاز کر دیا۔ انھوں نے سب سے پہلے جلد ششم کا ترجمہ کیا جو ۱۹۸۹ میں شائع ہوا۔ بعد ازاں جلد اول اور دوم کے تراجم کیے، مگر افسوس کہ متین صاحب کی عمر نے وفا نہ کی۔ (اللہ ان کی مغفرت کرے) تیسری جلد کا کام ڈاکٹر آفتاب اصغر (حال پروفیسر و صدر شعبہ فارسی پنجاب یونی ورسٹی لاہور) کے سپرد ہوا۔ موصوف فارسی زبان و ادب کے ماہر استاد اور ایک کہنہ مشق مترجم ہیں۔ قبل ازیں وہ مولانا مودودیؒ کے "خطبات" کا

نہایت عمدہ ترجمہ کر چکے تھے۔ انھوں نے ترجمہ تفہیم میں جدید لغت و محاورے کو مدنظر رکھا۔ ابھی مزید تین جلدیں باقی تھیں۔ اس کار عظیم کی تکمیل، فرد واحد کے بس کی بات نہ تھی چنانچہ سید نیاز محمد ہمدانی کو اس منصوبے میں شریک کیا گیا۔ ترجمہ جاری رہا اور مولانا حامدی کی سرپرستی اور فیض الرحمٰن ہمدانی کی کاوشوں سے، ترجمے کی جلدیں، یکے بعد دیگرے شائع ہونا شروع ہوئیں۔ مولانا حامدی کی وفات (۲۵ر نومبر ۱۹۹۴) کے بعد تو یہ بار گراں، مکمل طور پر فیض الرحمٰن صاحب کو اٹھانا پڑا۔ مترجمین سے رابطے و تکمیل کار، پھر ترجمے کی مراجعت، کمپوزنگ، پروف خوانی، اشاریہ سازی اور طباعت و جلد بندی وغیرہ کے مراحل نہایت کٹھن اور صبر آزما تھے۔ فیض الرحمٰن صاحب نے ناسازگاری حالات اور خرابی صحت کے باوجود جس عزم و ہمت سے انھیں طے کیا، اس پر وہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔ اس کار عظیم کا اجر، اللہ کے پاس محفوظ ہے۔

زیر نظر ترجمے اور نظرثانی میں چونکہ بہت سے اصحاب شریک رہے ہیں اس لیے ترجمے کی زبان اور اسلوب میں بھی کامل یکسانیت نہیں ہے، مثلاً: وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ، کلیم: "و نماز را بپا دارید"۔ آفتاب: "و نماز بگزارید"--- وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ (البقرہ ۲: ۳۴) کلیم: "پس چون بہ ملائکہ گفتیم برائے آدم فروتن باشید، سجدہ نمودہ فروتن شدند جز ابلیس" (جلد اول، ص ۶۱)۔ آفتاب: "وقتی ما بہ فرشتگان گفتیم کہ بہ آدم سجدہ کنید، ہمہ آنہا سجدہ کردند ولی ابلیس سجدہ نکرد" (الکہف ۱۸: ۵۰، جلد سوم، ص ۴۳) مگر خیال رہے کہ ترجمے کا یہ اختلاف محض لسانی و لفظی ہے، مفہوم دونوں کا درست ہے۔ ترجمے کے اختلاف کا یہ مطالعہ اس اعتبار سے دلچسپ ہے کہ ایک ہی مترجم ایک ہی آیت کا ترجمہ دو مختلف مقامات پر، مختلف انداز میں کرتا ہے، مثلاً: مندرجہ بالا آیت کا ترجمہ، آفتاب صاحب نے ایک اور جگہ یوں کیا ہے: "مابہ فرشتگان گفتہ بودیم کہ بہ آدم سجدہ کنید، ہمہ آنہا بہ سجدہ در آمدند ولی (در میان آنہا) ابلیسی بود کہ انکار کرد" (طٰہٰ ۲۰: ۱۱۶، جلد سوم، ص ۱۹۳) اس طرح اللہ کلیم متین کے ہاں بھی ایک ہی آیت (البقرہ ۲: ۴۹، ابراہیم ۱۴: ۶) کے ترجموں میں الفاظ و انداز کی پوری یکسانیت نہیں ہے (جلد اول، ص ۶۷ اور جلد دوم، ص ۴۲۸)۔ اس سے بھی زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ خود مولانا مودودیؒ کے اردو ترجمے میں بھی ایسی مثالیں مل جاتی ہیں۔ ایک مثال تو خاص طور پر قابل داد ہے۔ مولانا نے سورہ الرحمٰن ۵۵ میں بہ تکرار آنے والی آیت (فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ) کے، موقع محل کے لحاظ سے متعدد (اور مختلف) ترجمے کیے ہیں۔ مثلاً: (۱) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ (۲) تم اپنے رب کی کن کن صفات حمیدہ کو جھٹلاؤ گے؟ (۳) تم اپنے رب کے کن کن عجائبات قدرت کو جھٹلاؤ گے؟ (۴) تم دونوں گروہ اپنے رب کے کن کن احسانات کا انکار کرتے ہو؟ وغیرہ۔ لہٰذا جیسا اوپر عرض کیا گیا، ترجمے کے اسلوب میں یہ فرق، کسی لحاظ سے اعتراض کا باعث نہیں ہو گا، بلکہ ایک اعتبار سے یہ خوش گوار ہے کیوں کہ زیر نظر ترجمہ تفہیم القرآن نہ صرف

ایران' بلکہ افغانستان اور وسطی ایشیا کی مسلم ریاستوں میں بھی پہنچے گا' جہاں کا "سبک" (انداز' اسلوب) سبک ایران سے قدرے مختلف ہے۔ (فیض صاحب نے دیباچے میں بتایا ہے کہ ترجمہ تفہیم کی تکمیل سے پہلے' اس کے بعض اجزا اشاعت پذیر ہوئے تو وسطی ایشیا کے ممالک اور آذربائیجان سے اس کی طلب ہونے لگی)۔

فارسی زبان میں اس ترجمے کی اشاعت' ادبیات مودودی کے ذخیرے' نیز فارسی کے تفسیری ادب میں ایک اہم اور قابل قدر اضافہ ہے۔ حسن طباعت کے تقاضوں کا خیال رکھتے ہوئے' ناشر نے خاصے اہتمام سے کام لیا ہے۔ جملہ مجلدات کا حسن صوری بھی خوب ہے۔ (رفیع الدین ہاشمی)

سہ رنگا نظام تعلیم' رضوانہ سید علی۔ ناشر: جنگ پبلشرز' آغا خان روڈ لاہور۔ صفحات: ۱۲۸' قیمت: ۸۰ روپے۔

یہ مختصر سی کتاب پاکستان کے موجودہ نظام تعلیم کے تعارف اور کیفیت پر مبنی ایک دلچسپ مطالعہ ہے۔ مصنفہ' شعبہ تدریس سے تعلق رکھتی ہیں۔ انھوں نے اپنے مشاہدے کے ساتھ دیگر افراد کی آرا کو بھی پیش کیا ہے۔ ہماری حکومتوں اور انتظامیہ' بلکہ خود عوام کے لیے بھی سب سے کم دلچسپی کا موضوع غالباً تعلیم ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سب بے علمی اور جہالت کا رونا روتے ہیں' مگر اس سیاہی کو دھونے کے لیے کوئی بھی قدم اٹھانے کے لیے تیار نہیں۔ آج برطانیہ اور امریکہ جیسی ترقی یافتہ کہلانے والی طاقتیں اور ان کے حکمران اپنے تعلیمی نظام کو بدنصیب اور فرسودہ قرار دے رہے ہیں مگر ہمارے حکمران اپنے ازکار رفتہ تعلیمی سلسلے سے مطمئن ہیں اور اگر غیر مطمئن ہیں تو اس کا حل نجی شعبے کی بنیاگردی میں تجویز کرتے ہیں۔ معلوم نہیں عوام اور حکمرانوں میں احمق کون ہے اور جاہل کون؟

تعلیم جیسے غیر اہم (مگر دراصل نہایت اہم) موضوع کو اجاگر کرنے کے لئے مصنفہ نے دلچسپ پیرایہ اظہار اختیار کیا ہے جس کے نتیجے میں ان کی یہ تحریر' حقائق پر مبنی ہونے کے باوجود افسانے سے زیادہ پرکشش اور دلچسپ محسوس ہوتی ہے۔ اس موضوع سے دلچسپی نہ رکھنے والا فرد بھی اس ہلکی پھلکی کتاب میں موجود وزنی دلائل سے متاثر ہو گا۔ کتاب کے چند مقامات سے کچھ جملے ملاحظہ فرمایئے: "یہ اسکول ہے یا یتیم خانہ' آدھے سے زیادہ بچوں کی مائیں فریاد لے کر جاتی ہیں" (ص ۳۲)۔ "یہ انگلش میڈیم اسکول نہیں' بلکہ ڈھونگ میڈیم اسکول ہیں" (ص ۸۰)۔ "ہم وہیں کھڑے ہیں' جہاں سرسید نے ہمیں چھوڑا تھا" (ص ۱۰۸)۔ "ہمارے نوجوان کو ایسا پراعتماد اور صاحب کردار بنایئے کہ جو ایک طرف ستاروں پر کمند ڈالے تو دوسری طرف قرآن اس کے سینے میں نقش ہو۔ اس کے لیے لازم ہے کہ تعلیم بذمہ ریاست ہو...... ہمیں بڑی عمارتیں نہیں چاہییں' ہر مسجد میں ٹاٹ بچھادیں' لیکن ہمارے بچے کو پڑھنا چاہیے"۔ (ص ۱۱۷-۱۱۸) وغیرہ۔

کتاب کا عنوان حسب حال نہیں، پاکستانی نظام تعلیم کو "سہ رنگا نظام تعلیم" کہنے کے بجائے بے رنگ نظام تعلیم کہنا چاہیے جو نظام تعلیم کے نام پر ایک دھبہ ہے۔ (سلیم منصور خالد)

روشنی کے مینار، حافظ محمد ادریس۔ ناشر: مکتبہ احیائے دین منصورہ، لاہور۔ صفحات: ۱۹۲۔ قیمت: ۵۶ روپے۔

مولانا حافظ محمد ادریس نے ۱۹۷۰ میں ساہی وال جیل کے زمانہ اسارت میں، قیدیوں کے سامنے صحابہ کرامؓ کے سوانح پر تقاریر کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا۔ رہائی کے بعد، یہ خطبے تحریراً منضبط ہو کر "آئین" لاہور میں چھپنا شروع ہوئے۔ بعد ازاں متعدد احباب کے اصرار پر متذکرہ خطبات پر مشتمل ایک مجموعہ مضامین ۱۹۷۲ میں، گجرات سے شائع ہوا۔ مصنف موصوف کی یہ پہلی کتاب تھی۔ زیر نظر اس کی تازہ ترین اشاعت ہے۔

عشرہ مبشرہ کو چھوڑ کر (کہ ان پر: "ان شاءاللہ پھر کبھی لکھا جائے گا"۔) زیر نظر مجموعہ بیس صحابہؓ کے مختصر حالات پر مشتمل ہے۔ یہ وہ "صحابہؓ" ہیں جن کا نام تو عموماً پڑھے لکھے لوگ جانتے ہیں، مگر ان کے ایمان افروز واقعات سے اکثر بے خبر ہیں"۔ حافظ صاحب نے ان صحابہؓ کی سوانح سے ایسے واقعات پیش کیے ہیں "جن کے اندر اسلام ایک تحریک، چلتی پھرتی زندہ و فعال تحریک کی صورت میں نظر آسکے"۔ صحابہؓ کے نام یہ ہیں: زیدؓ بن حارثہ، بلالؓ، عثمانؓ بن مظعون، زیدؓ بن خطاب، مرثدؓ بن ابی مرثد، طفیلؓ بن عمرو دوسی، سہیلؓ بن عمرو، اسامہؓ بن زید، سلمان فارسیؓ، محمدؓ بن مسلمہ، عمارؓ بن یاسر، مصعبؓ بن عمیر، حمزہؓ بن عبدالمطلب، عباسؓ بن عبدالمطلب، جعفر طیارؓ، عبداللہ المزنی، سراقہؓ بن مالک بن جعشم، عکرمہؓ بن عمرو بن ہشام، خبیبؓ بن عدی، عبداللہؓ بن مسعود۔

قرآن حکیم کا فلسفہ تاریخ (فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ) حافظ محمد ادریس کے پیش نظر رہا ہے۔ یعنی تاریخ ہمیں غور و فکر کی دعوت دیتی ہے اور تاریخ کے نشیب و فراز باعث عبرت ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہم "اچھی مثالوں کی پیروی کریں اور اپنے آپ کو نعمت ربانی کا مستحق بنائیں"۔ امید واثق ہے کہ قارئین، ان اوراق کے مطالعے سے عبرت و موعظت کا وہ قیمتی سبق حاصل کریں گے، جو مصنف کی تحریر و تسوید کی غایت رہا ہے۔ آیندہ اشاعت میں قرآن، حدیث اور دیگر عربی متون پر اعراب لگا دیے جائیں تو (علما کے علاوہ) عام قارئین کے لیے بھی ممکن ہو گا کہ وہ ان عبارات کو صحت کے ساتھ پڑھ سکیں۔ کتابت و طباعت عمدہ ہے اور قیمت مناسب۔ (ر۔ ہ)

ذوق جہاد: لوازمات و برکات، سید واجد رضوی۔ ناشر: القلم، ۱۸۔شان پلازہ، بلیو ایریا، اسلام آباد۔ صفحات: ۱۷۵، قیمت: ۱۲۰ روپے۔

واجد رضوی متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کی یہ تازہ تصنیف اپنے مواد، پیش کش اور طباعت کے

لحاظ سے ایک عمدہ کتاب ہے' جس کا مقصد "جہاد کی حقیقت کا شعور' ملت اسلامیہ اور بالخصوص عساکر اسلام میں پیدا کرنا ہے"۔ زیادہ تر موضوع بحث وہ منظم جہاد (یعنی قتال) ہے جو باقاعدہ فوج کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ ابتدائی مضامین میں مصنف نے جہاد کے عمومی تصور کا اچھا تعارف کرایا ہے۔ مصنف کا تصور جہاد' کتاب و سنت کے مطابق اور واضح ہے۔ انداز بیان تحرک انگیز اور فصیح و بلیغ ہے۔

کتاب کی انفرادیت' اس میں پائی جانے والی فنون حرب کی بحثیں ہیں۔ اس معاملے میں بہت سی معلومات اور آرا مغربی ماہرین حرب سے لی گئی ہیں' مگر ساتھ ساتھ مصنف تاریخ اسلام سے مثالیں بھی دیتے رہتے ہیں۔ اخلاقی قوت کی اہمیت کے تذکرے اور اخلاقی خوبیوں کے بیان میں وہ اسلام کے بلند اور وسیع تصور اخلاق اور شجاعت کو شامل کرتے ہیں' اور اس کی عمدہ اور بروقت وضاحت کرتے ہیں۔ ان کی یہ کوشش ایک اہم عمرانی علم یعنی فن حرب کو اسلامی رنگ دینے میں بہت مددگار ثابت ہو سکتی تھی' لیکن وہ بھی اس علمی خامی سے پوری طرح نجات حاصل نہیں کر سکے جو دور حاضر کے مسلمانوں کے بنیادی مسائل میں سے ہے یعنی اسلامی عقائد و تصورات اور منطقی تقاضوں میں تعلق کی نوعیت کو سمجھنے کی ضرورت کا پوری طرح احساس نہ کرنا۔ ص ۱۱۳ پر مصنف فرماتے ہیں: "میدان جنگ کے بھی اصول ہیں جو عہد حاضر میں ماہرین حرب نے صدیوں کی تاریخ کو سامنے رکھ کر مدون کیے ہیں۔ یہ امر مسلمانوں کے لیے باعث افتخار ہے کہ سپہ سالار اسلام' سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ساتویں صدی میں ان اصولوں پر عمل فرما چکے تھے"۔ اس کے بعد وہ "اقدام' اچانک حملہ اور ارتکاز" جیسے جنگی اصولوں کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ اصول مصنف کے مطابق ماہرین حرب نے تجربات سے اخذ کیے ہیں۔ مصنف یہ کہنے یا تاثر دینے کی ضرورت کیوں محسوس کرتے ہیں کہ تجربہ کوئی ایسا علم نہیں دے سکتا' جو نبیؐ کے ذریعے ہمیں نہ ملا ہو؟ کیا ان کے نزدیک' یا اس انداز بیان اپنانے والے دوسرے اصحاب کے نزدیک' اسلامی تعلیمات میں تجربے کے بذات خود ایک سرچشمہ علم ہونے کی نفی کی گئی ہے؟ کیا یہ سچ نہیں کہ بہت سے معاملات ایسے ہیں جو نبیؐ کی اپنی تصریحات کے مطابق قرآن و سنت کے ذریعے ہم تک پہنچنے والی تشریعی راہنمائی کے دائرہ کار میں نہیں آتے' اور جو اللہ تعالیٰ نے انسانی عقل اور مشاہدات و تجربات یعنی عمرانی اور فطری علوم (Social and Natural Science) کے لیے چھوڑ دیے ہیں؟ یہ البتہ اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ تجربات سے علم اخذ کرتے وقت ایک مسلمان کو کس ذہنیت کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ غیر مسلم اس عمل کو ایک غلط ذہنیت کے ساتھ کرتے ہیں' لہٰذا ان کے پیش کردہ مفید علم کا حصول ہمارے لیے فرض کفایہ ہے اور اسے سانچے میں ڈھالنے کی بہرحال ضرورت ہے۔ مگر یہ ضرورت کہیں زیادہ ہے اور کہیں بہت کم (جیسے فنی تفصیلات میں---- اور نصابی کتابوں کا مقدار کے لحاظ سے زیادہ تر مواد انھی پر مشتمل ہوتا ہے)۔ اگر اس طرح کی وضاحتیں بھی کر دی جاتیں تو کتاب ہمارے ماہرین

حرب کے فنی معیار کو متاثر کیے بغیر ان کی اسلامی ذہنی تربیت کرنے میں خاصی مددگار ثابت ہوتی۔ مگر جب تک ہمارے ہاں اس طرح کی وضاحتوں کا رواج عام نہیں ہوتا' یہی ہوتا رہے گا کہ اسلام کو مکمل نظام حیات سمجھنے والے لاشعوری طور پر دنیاوی (کم از کم عمرانی) علوم کو صرف وحی کا مدمقابل' اور یوں غیر ضروری یا غلط ہی سمجھتے رہیں گے' اور ان علوم کے ماہرین' اپنے کام میں دینی "مداخلت" کو ناپسند کرتے رہیں گے۔ (ڈاکٹر بلال مسعود)

Islamic Etiquette: Drop to Dust (اسلامی آداب زندگی)' محمد حبیب الدین فضلی۔ ناشر: اکیڈمی آف لائف اینڈ لیٹرز' آر ۶۹' سیکٹر ۸' نارتھ کراچی' کراچی ۷۵۸۵۰۔ صفحات: ۲۴۳۔ قیمت: ۴۵ روپے۔

مصنف نے عرق ریزی سے وہ تمام قرآنی آیات اور احادیث جمع کر دی ہیں جن کا تعلق روز مرہ واقعات یا آداب معاشرت سے ہے۔ کتاب آٹھ ابواب پر مشتمل ہے: پیدائش' آداب' سماجی رابطہ' نیک اعمال' حقوق و فرائض' طہارت' مسائل خاندان اور مسائل قبر۔ ہر موضوع کے حوالے سے نمبروار قرآنی آیات اور پھر نمبروار احادیث درج کر دی ہیں اور جہاں جہاں ضرورت محسوس کی ہے' حواشی بھی دے دیے ہیں۔

یہ پہلو خوش آیند ہے کہ دینی تعلیمات کو سمجھنے کے لیے انگریزی زبان میں لٹریچر تیار ہو رہا ہے۔ اس روش کو رواج دینے والے مبارک باد کے مستحق ہیں' تاہم زیر بحث کتاب کے حوالے سے چند امور قابل توجہ ہیں۔

۱۔ دعوت و تبلیغ سے تعلق رکھنے والی ایسی کتاب کو بائبل کی آیات کی طرح نمبروار تقسیم کر دینا مناسب نہیں ہے۔ قرآنی آیات' احادیث شریفہ اور فقہائے کرام کی آرا میں ربط پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مصنف ان کو مسلسل تحریر کی صورت میں پیش کرے۔

۲۔ مصنف نے بڑی خوبی سے دور جدید کی ایجادات (مثلاً ٹیلی فون پر گفتگو کے آداب جیسے موضوع) پر بھی مواد اکٹھا کر دیا ہے تاہم چند مقامات پر نظرثانی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے' مثلاً مصنف کا یہ کہنا کہ تصویر کی حرمت کے جو احکام ہیں وہ تمام کے تمام ٹیلی ویژن پر لاگو ہوتے ہیں' درست نہیں ہے۔

۳۔ قرآنی آیات یا احادیث کا متن درج کیا جانا چاہیے تھا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی کے ساتھ صلوٰۃ و سلام کا نہ ہونا بھی غیر مناسب ہے۔ بہ حیثیت مجموعی زبان و بیان مناسب ہے۔

(محمد ایوب منیر)

وہ بھی کیا دن تھے، حکیم محمد سعید۔ ناشر: ہمدرد فاؤنڈیشن، ناظم آباد کراچی۔ صفحات: ۶۴۔ قیمت: ۲۵ روپے۔

بچپن کی یادوں، باتوں اور شرارتوں پر مشتمل مضامین یا "سعید پارے" حکیم صاحب (پیدائش: ۱۹۲۰) کی متحرک و ہمہ آن مستعد اور مہم جو افتاد طبع کا آئینہ ہیں۔ طرح طرح کے شوق: شہسواری، ہرن کا شکار، موٹر چلانا، ورزش، پہلوانی، فٹ بال اور شرارتیں۔۔۔ بایں ہمہ بزرگوں کا احترام ہر آن پیش نظر رہا، بالخصوص برادر بزرگ حکیم عبدالحمید کا، جن کی شفقت، انداز تربیت اور ضبط نفس مثالی رہا۔ بتاتے ہیں کہ ایک بار ہرن کا شکار کھیلتے ہوئے میں نے ایک بار کھیت سے ایک گنا توڑا اور چوسنا شروع کیا۔ بھائی جان سخت ناراض، انھوں نے بڑے تردد سے کھیت والے کو تلاش کرایا۔ میں نے بلااجازت گنا توڑنے پر اس سے معافی مانگی۔ پھر بھائی جان نے اسے زبردستی پیسے دیے۔ حکیم صاحب کی ان یادوں میں، نونہالوں کے ساتھ بڑوں کے لیے بھی ایک پیغام، ایک سبق ہے۔ وہ کڑھتے ہیں کہ شادیوں کی تقاریب میں وقت کی پابندی نہیں ہوتی۔ لوگ دیر سے آتے ہیں، مزید تاخیر بارات والے کرتے ہیں۔ عموماً ہر تقریب میں ہر مہمان کے ۴ گھنٹے ضائع ہوتے ہیں، ایک ہزار مہمان ہوں تو چار ہزار گھنٹے برباد۔ غرض یہ تحریریں دلچسپ ہیں اور اشاعت معیاری ہے۔

جناب مسعود احمد برکاتی کو مبارک باد کہ انھی کے اصرار پر حکیم صاحب نے قلم اٹھایا اور انھوں نے ہی اسے مرتب کر کے شائع کرایا۔ (د - ه)

حضرت انس بن مالکؓ، ابن عبدالشکور۔ ناشر: کوثر پبلی کیشنز بنگلور۔ ملنے کا پتہ: حلیم بک ڈپو ۲/۱۷۸۱ حوض سوئی والان، دریا گنج، نئی دہلی۔ صفحات: ۵۰۸۔ قیمت: ۱۴۰ روپے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کے قابل قدر نمونے وہ نفوس بشریہ ہیں جو آپؐ پر ایمان لائے، آپؐ کی صحبت میں رہے اور آپؐ کے نور ہدایت نے جن کو روشن ستارے بنا دیا۔ یہ لوگ آپؐ کے فیض صحبت سے شب و روز مستفید ہوتے تھے۔ زیر نظر کتاب انھی روشن ستاروں میں سے ایک، خادم رسولؐ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حالات و واقعات، سیرت و تعلیمات اور اقوال و اعمال پر مشتمل ہے۔ وہ دس سال تک آپؐ کی خدمت میں رہے۔

فاضل مصنف قبل ازیں امہات المومنین حضرت صفیہؓ، حضرت جویریہؓ اور حضرت ابوسفیانؓ اور حضرت جبرئیلؑ پر سوانحی کتابیں شائع کر چکے ہیں۔ زیر نظر کتاب میں مروج سوانحی انداز و اسلوب اختیار نہیں کیا گیا۔ مصنف نے کتاب کا آغاز ہجرت نبویؐ سے کیا ہے، جب حضرت انسؓ رسولؐ اللہ کے ہاں بطور خادم مقرر ہوئے۔ پھر آپؐ کی مدنی زندگی کے فقط انھی واقعات کو قلم بند کیا ہے جو حضرت انسؓ سے مروی ہیں۔ "سنہرے دن" کے عنوان سے خلفاے راشدین سے متعلق روایات حضرت انسؓ بیان کی گئی ہیں۔ اس کے

بعد حضرت انسؓ کے حالات زندگی، سیرت، خاندان وغیرہ کا ذکر ہے۔ حضرت انسؓ نے رسول اللہؐ اور صحابہ کرامؓ سے جو کچھ اخذ کیا، جو کچھ سنا، دیکھا، محسوس کیا، اسے اصحاب امت تک پہنچا دیا۔ فاضل مصنف نے اس تمام تفصیل کو مختلف عنوانات کے تحت جمع کر دیا ہے۔

کتاب میں خطابت کا انداز نمایاں ہے۔ بعض مقامات پر مکالمے کا انداز اختیار کیا گیا ہے، مگر اسلوب عام فہم ہے۔ ایک کمی تو یہ محسوس ہوتی ہے کہ روایات و واقعات کے حوالہ جات کا کوئی اہتمام نہیں کیا گیا۔ مصنف، فقط مسلم، بخاری، طبرانی وغیرہ کا ذکر کر دیتے ہیں۔ دوسرے: کتاب میں تالیفی تنظیم و ترتیب کی شدید کمی ہے۔ مؤلف کو جو لوازمہ ملا، اسے جمع کر دیا گیا ہے حتیٰ کہ حضرت انسؓ سے مروی احادیث بھی۔۔۔ اگر جملہ لوازمے کو سوانحی اصولوں کے مطابق مرتب کیا جاتا تو حضرت انسؓ کی شخصیت کا زیادہ عمدہ نقش سامنے آتا، اس کے باوجود یہ کتاب لائق مطالعہ ہے۔ (حافظ محمد سجاد)

۱۔ براہ کرم تبصرے کے لیے ہر کتاب کے دو نسخے روانہ کیجیے۔
۲۔ ادارہ، تبصرے کے لیے موصول ہونے والی ہر کتاب پر تبصرہ شائع کرنے کا پابند نہیں۔
۳۔ کسی کتاب کے ساتھ، مصنف یا ناشر کی طرف سے موصولہ تحریری تبصرے شائع نہیں کیے جاتے۔
(مدیر)

سیرت کے پروگرامات ہوں یا ممبر سازی مہم،

منشورات کے کتابچے دعوت کا بہترین ذریعہ ہیں۔

☐ سیرت پاکؐ کا تاریخی کردار	پروفیسر خورشید احمد	-/۳۰۰ روپے سیکڑہ
☐ چند تصویریں سیرتؐ کے البم سے	خرم مراد	-/۵۰۰ 〃
☐ کلام نبویؐ کی صحبت میں	〃	-/۶۰۰ 〃
☐ رسالت محمدیؐ	〃	-/۱۰۰ 〃
☐ توہین رسالت کا مسئلہ	〃	-/۱۰۰ 〃
☐ ضمیر کی بات	مظفر بیگ	-/۱۵۰ 〃
☐ سود کی لعنت	پروفیسر خورشید احمد	-/۱۲۵ 〃

(۱) منشورات: منصورہ، ملتان روڈ، لاہور 54570 فیکس: 042-7832194
(۲) ڈیسنٹ بک پوائنٹ: اے 57 بلاک 5، گلشن اقبال نزد مدنی مسجد، جامعہ ابوبکر، کراچی Ph:4967661
(۳) بک پروموٹرز: بلاک 19، نصر چیمبرز، مرکز F-7، اسلام آباد Ph:823094
بیرون ملک رہنے والے احباب اسلامک پبلی کیشنز، شاہ عالم مارکیٹ، لاہور۔ فون: 042-7325243 سے طلب کریں۔

مدیر کے نام

مولانا گوہر رحمٰن ' مردان

بلامتن ترجمہ قرآن کی اشاعت (جون ۹۷) میں مولانا سید احمد عروج قادری نے لکھا ہے کہ "بلامتن ترجمہ قرآن کی اشاعت کا مسئلہ خالص اجتہادی مسئلہ ہے۔ قرآن مجید اور احادیث نبویہ دونوں اس کے جواز و عدم جواز سے ساکت ہیں۔ اس کے علاوہ جہاں تک میرا مطالعہ ہے جلیل القدر فقہا امت کی کتابیں بھی اس بحث سے خالی ہیں" (ص ۶۷)۔ جہاں تک میرے مطالعے کا تعلق ہے تو نہ صرف یہ کہ فقہا کی کتابوں میں اس مسئلے پر تفصیلی مباحث موجود ہیں بلکہ ائمہ اربعہ اور دوسرے جلیل القدر فقہا اسلام کا تقریباً اجماع ہے کہ قرآن کا صرف ترجمہ شائع کرنا ممنوع ہے۔ اگرچہ شیخ محمد عبدہ کے شاگرد' محمد مصطفیٰ المراغی' متوفی ۱۹۴۵ اور فرید وجدی' متوفی ۱۹۵۴ اس کو جائز سمجھتے تھے لیکن شیخ محمد عبدہ ہی کے دوسرے ممتاز شاگرد' علامہ سید رشید رضا' متوفی ۱۹۳۵ نے عدم جواز کو مضبوط دلائل سے ثابت کیا ہے۔ اور جواز کے قول کا بڑے موثر انداز میں رد کیا ہے (**المنار**' ج ۹' ص ۳۲۴ - ۳۴۳' الاعراف ۷: ۱۵۷)۔ کچھ دوسرے اقوال بھی جواز کے حق میں مل جائیں گے لیکن یہ سلف صالحین اور ائمہ اربعہ کے تقریباً اجماعی فیصلے کے مقابلے میں دور جدید کے معدودے چند افراد کا اجتہاد ہے۔

"زرعی اراضی کی تحدید ملکیت" (مئی ۹۷) میں **الحجر** (غیر شرعی طریقے سے حاصل کردہ املاک کی ضبطی) **التسعیر** (صدقات واجبہ کے علاوہ ریاستی محصولات اور عقوبات مالیہ) کے موضوعات پر اشارات درج کیے گئے ہیں حالانکہ ان چیزوں کا موضوع سے براہ راست تعلق نہیں ہے۔ اس موضوع پر میری کتاب **تفہیم المسائل** حصہ دوئم' ص ۷۳ - ۱۸۴ پر تفصیلی بحث طبع شدہ موجود ہے۔

سلیم منصور خالد ' گوجرانوالہ

اسلامی تحریکیں اور حزب اختلاف کا کردار (جون ۹۶) محض ایک مغالطہ در مغالطہ کا عمل دکھائی دیتا ہے۔ بعض دلائل مسحور کرتے ہیں لیکن پوری تصویر سخت تکلیف دہ ہے' ادھورے سچ پر مبنی ہے اور مغرب کی سامنے خود ملامتی طرز اظہار کی آئینہ دار ہے۔ مقالہ نگار نے نہایت چابک دستی سے اسلامی تحریکوں کے چہرے پر موقع پرستی' ترمیم پسندی اور مداہنت روی کا الزام مَل دیا ہے۔ وہ مغرب سے یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ تم خواہ مخواہ ان تحریکوں سے ڈرتے ہو' یہ "کسی ملّی حمیت' دینی غیرت اور اصولی کمٹ منٹ کے لوگ نہیں ہیں' یہ اقتدار کے چند

لمحوں کے لیے سودا بازی پر اتر آتے ہیں' زیادہ بڑی مدت کے لیے انھیں اور بھی زیادہ گرایا اور پھانسا جا سکتا ہے۔ مقالہ نگار نے حماس کو یہودیوں کا کاشتہ اور پروردہ پودا قرار دیا ہے جو ان کے لیے مصیبت بن گیا۔ اسی طرح ان کے مطابق رفاہ پارٹی بھی ترک فوج کی سرپرستی میں برگ و بار لائی اس لیے کہ ۷۰ کے عشرے میں ترک بوناپارٹزم نے کمیونسٹ خطرے کے توڑ کے لیے اسے مناسب سمجھا تھا (ص ۵۴)۔ مغرب اور یہودیوں نے عرب قوم پرستی کو کبھی ایسا خطرہ نہیں سمجھا جیسا اسلامی جہادی قوتوں کو سمجھا۔ کامل الشریف کی **اخوان المسلمون فی حرب فلسطین** جہاد فلسطین کے آغاز کی مکمل داستان ہے۔ اس کے توڑ کے لیے حسن البنا کی شہادت اور اخوان کی جڑ کاٹ دینے کے لیے پوری تحریک پر مسلط کردہ طویل جنگ--- مقالہ نگار کو اپنی تحقیق کا رخ ادھر بھی کرنا چاہیے۔ جب فلسطین کی تحریک آزادی سیکولر قوم پرستوں کے ہتھے چڑھ گئی تو قل ابیب کو سکون ملا کہ ان سے معاملہ کرنا آسان ہے۔ بھگوڑی' مداہنت پسند اور سیکولر قیادت کے مقابلے میں اسلامی تحریک کا پھندا یہودیوں نے کیوں اپنی گردن میں ڈالا' اس الزام کی تشہیر سے مضمون نگار کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ ان کے مطابق تو ترکی میں عدنان مندریس کو شہید کرنے والی کمال پسند فوج نے' صرف کیونسٹوں کا راستہ روکنے کے لیے اسی شہید کے تسلسل کو آگے بڑھایا۔ مقالہ نگار بتائیں کہ فوجی ادوار میں ان لوگوں کو اسلامی فکر کی تشہیر کے لیے کیا سہولتیں دی گئیں؟ کیا تحریکیں اس طرح کے ریاستی غض بصر اور نیم دلانہ پشت پناہی سے عوامی تحریکیں بنا کرتی ہیں کہ آج امریکی اور ترک **پینٹاگون** دونوں بدحواسی کا شکار ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حماس اور رفاہ کے بارے میں ان کے خیالات اذیت ناک اور اس جدوجہد کے ساتھ مذاق ہیں۔ مقالہ نگار نے رفاہ پارٹی' جماعت اسلامی' پاس اور اردن کی اخوان کو جمہوری حزب اختلاف قرار دے کر فرمایا ہے کہ: "دوسرے قلیل تعداد کے انتہاپسند انقلابی' عسکری' تشدد ، ور خفیہ اسلامی گروہ ہیں جو قومی اور بین الاقوامی دہشت گردی میں ملوث ہیں" (ص ۴۹)۔ معلوم ہونا چاہیے کہ اسی جملے کی ظالمانہ ضرب کہاں کہاں لگی ہے۔ یہ ظلم عظیم ہے۔ یہ استدلال مغرب کا کوئی وفادار (یا مسلمانوں کا نادان دوست) ہی مغرب کو پیش کر سکتا ہے۔ میری رائے میں اس دل آزار مضمون کی اشاعت **ترجمان القرآن** میں نہیں ہونا چاہیے تھی۔

عبدالرشید سالک، کراچی

انڈونیشیا کے انتخابات (جون ۹۷) ہی کیا' انھی دنوں الجزائر اور ایران میں انتخابات ہوئے۔ اس سے قبل یمن میں ہوئے۔ ہم پاکستانی اخبارات کے قارئین کے حصے میں وائس آف جرمنی اور بی بی سی کے تبصرے ہی آتے ہیں۔ مسلم دنیا کے سلگتے مسائل غیر ملکی ایجنسیوں کا موضوع ہیں۔ کسی پاکستانی اخبار کو توفیق نہیں کہ اپنے نمایندوں سے ان اہم واقعات کی رپورٹنگ کروائے۔ یقیناً مسئلہ وسائل کا نہیں' دلچسپی اور اہمیت دینے کا ہے۔ ابھی حال ہی میں چیچنیا میں اسلامی نظام کے لیے بعض دور رس اقدامات کیے گئے ہیں۔ کسی اخبار یا ادارے کو اس کی صحیح خبروں

کی اور اس تجربے کے مطالعے کی فکر ہے؟ یا سی این این ("سنن") پر ہی اعتبار کرنا ہو گا!

ڈاکٹر ظفر الاسلام خان، دہلی

پروفیسر مشیر الحق صاحب کی کتاب (**اقبال ایک سیاسی مفکر**) پر تبصرے (مئی ۹۷ء ص ۷۷) میں لکھا گیا ہے کہ: "اس کتاب سے علامہ اقبال اور پاکستان کے بارے میں معاصر بھارتی مسلم دانش وروں کا ذہن سمجھنے میں مدد ملتی ہے"۔ اگر تبصرہ نگار "مسلم دانش وروں" کے ساتھ "سیکولر" کا لفظ بھی بڑھا دیتے تو بہتر ہوتا۔ مشیر الحق صاحب سیکولر مسلم لابی کے نمایندے بلکہ سرخیل کی حیثیت رکھتے تھے اور ان کی مسلسل کوشش رہی کہ مسلمان اپنے آپ کو سیکولر اور مغربی فکری ڈھانچے میں ڈھال لیں۔ شاہ بانو کے کیس کے دوران انھوں نے بلاواسطہ اور بالواسطہ جو رول ادا کیا، اسے ہندستانی مسلمان بنظر استحسان نہیں دیکھتے۔ ہمیں خود کو ضرور بدلنا ہے۔ اجتہاد کرنا ہے۔ روایتی ڈھانچے سے نکلنا ہے مگر یہ سب اسلام کے بنیادی ڈھانچے کے اندر ہی ہونا ہے ورنہ ہم مسلمان نہیں رہیں گے۔

فضل غفار، مالاکنڈ

عرصے سے **ترجمان القرآن** کو ایک خط لکھنے کا ارادہ موجود تھا۔ محترم خرم مراد کی کاوشوں سے پرچے کو دوبارہ ایک نئی زندگی ملی تھی جس کی تحسین دینی تقاضا بھی تھا۔ لیکن فرصت ہی نہ ملی یا شاید یہ بھی تساہل کا ایک اثر تھا۔ آج بھی جب خط لکھنے کا ارادہ کیا تو قلم نہیں مل رہا تھا اور دس منٹ تک قلم تلاش کرتے کرتے ذہنی کیفیت اس طرح بھی رہی کہ چلو رات کو لکھ دوں گا لیکن "سستی اور کاہلی" (جون ۹۷ء) ابھی چند منٹ پہلے ختم کیا۔ یہی مضمون میرے خط لکھنے کا محرک بنا۔

ترجمان القرآن جیسا علمی، ادبی، معلوماتی اور سیاسی رسالہ میرے علم کی حد تک پاکستان میں نہیں ملتا۔ مسلک اعتدال کا یہ واحد ترجمان رسالہ ہے جو ہر قسم کے تعصبات سے مبرا ہے۔ اللہ اس سعی اور کاوش پر اس کے بانی، بانی ثانی اور معیار کو قائم رکھنے والے موجودہ مدیر اور انتظامیہ کو جزائے خیر اور خیر کثیر عطا فرمائے۔

حبیب الرحمٰن قریشی، کراچی

آپ کے اشارات نہایت وقیع ہوتے ہیں لیکن کبھی کبھی خود جماعتی کمزوریوں پر بھی نظر کرلی جائے تو ان شاءاللہ **ترجمان القرآن** کے مشن میں اور گہرائی اور محبت پیدا ہو گی۔

راجہ فاضل حسین تبسم، آزاد کشمیر

اشارات (جون ۹۷ء) سے لے کر آخر تک ہر تحریر متاثر کن تھی۔ خاص طور پر "پھر کیوں تم شکر گزار نہیں ہوتے" سے انسان کی حقیقت کا پتا چلتا ہے۔ محمد بشیر جمعہ کی تحریر "سستی اور کاہلی" نے میرے اندر ہل چل مچا دی ہے۔ پروفیسر ممتاز احمد کا خطاب "اسلامی تحریکیں اور حزب اختلاف کا کردار" بھی بہت خوب ہے جس سے پوری دنیا کی اسلامی تحریکوں کے کردار اور مغرب کی دشمنی کا اندازہ ہوتا ہے۔ **ترجمان القرآن** کی تحریریں پڑھنے سے ایمان

میں تازگی پیدا ہوتی ہے۔

عبدالرقیب، مدراس

بڑی خوشی ہوئی کہ مدیر ترجمان القرآن کی حیثیت سے آپ نے ذمہ داری سنبھال لی ہے۔ خدا کرے کہ آپ کے زیر نگرانی یہ موقر جریدہ صحیح معنوں میں قرآن حکیم کی ترجمانی کرے اور تحریک اسلامی، ملت اسلامیہ اور تمام انسانیت کے لیے اس کے ذریعے حیات بخش پیغام مل سکے۔

مرحوم و مغفور خرم مراد صاحب پر آپ کا گراں قدر مضمون (فروری ۹۷ء) نظروں سے گزرا۔ آپ نے بہت سے پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے جس سے مرحوم کی ہمہ پہلو خدمات کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ Way to the Quran کو ہمارے ہاں اسلامک فاؤنڈیشن ٹرسٹ مدراس سے بھی شائع کر کے وسیع پیمانہ پر متعارف کرایا گیا۔ ابھی چند ماہ پہلے ایک ریٹائرڈ چیف انجینئر نے اسے پڑھا، متاثر ہوئے اور خود ہی تامل زبان میں ترجمہ بھی کر دیا ہے۔

خرم مراد صاحب نے ترجمان القرآن کے ذریعے دو نمایاں اور قابل قدر کام کیے۔ جن میں سے پہلا یہ ہے کہ تحریک کے علاوہ دوسرے مکاتب فکر کے علما کے افکار و نگارشات کو بھی ترجمان کے صفحات میں پیش کیا، مثلاً رشتے کا انتخاب (مولانا اشرف علی تھانویؒ)، ایمان کی حقیقت (مولانا بدر عالم میرٹھیؒ)، زیارت نبویؐ (ڈاکٹر میر ولی الدینؒ)، بیوی کا مرتبہ (مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ)، اسلام کی پکار، اتحاد ملت (مفتی محمد شفیعؒ)، درپے دنیا، دین ہمہ رفت (مولانا مناظر احسن گیلانیؒ)۔ اس سے قارئین کے دل میں ان علماکرام کا احترام بڑھتا ہے اور ہر مکتب فکر کے علما اور دانش وروں سے استفادہ کرنے کی رغبت بڑھتی ہے۔

دوسرا کارنامہ خرم مراد صاحب کا رسائل و مسائل میں ان کے جوابات ہیں۔ یہ مرحوم کا شاندار کارنامہ ہے۔ تحریک اسلامی سے وابستہ علما اور دانش ور بھی حالات سے متاثر ہو کر مسائل کا صاف اور واضح جواب نہیں دے پاتے، روایتی انداز اختیار کرتے ہیں لیکن مرحوم نے عملی رویہ اختیار کیا۔ ان کے جوابات اجتہادی شان لیے ہوئے ہیں، مثلاً رشتے داروں سے پردہ، مخلوط اجتماع، تعویذ اور شرک، رخصت اور عزیمت، عادت بد کا ترک وغیرہ۔ کسی کو ان جوابات سے اختلاف ہو سکتا ہے لیکن تجزیہ اور توضیح کا جو طرز انھوں نے اپنایا ہے وہ آیندہ بھی ہماری رہنمائی کرتا رہے گا۔ ان جوابات کو کتابی شکل میں فوری طور پر لایا جائے۔

خرم مراد مغفور سے میری آخری ملاقات ۱۴ ستمبر ۹۶ء کو اسلامک فاؤنڈیشن لیسٹر میں ہوئی تھی۔ علالت کے باوجود موصوف نے تقریباً ایک گھنٹہ گفتگو کی۔ ہمارے ملک، بھارت کے تناظر میں نظام باطل کے ساتھ تحریک کے وابستگان کا رویہ، عورتوں کے حقوق، اور تحریک کے ماضی کے اکابرین کی زندگی کے حالات کو ترتیب دینے کے سلسلے میں بڑی سنجیدہ اور حقیقت پسندانہ بات چیت ہوئی تھی۔ (۲۶ فروری ۹۷ء)

FINTEX MFG. CORP.

[Private] Limited

PAKISTAN - MALAYSIA JOINT VENTURE

Manufacturers of all Kinds of Rubber Threads

1. **Count 42 Super White**
2. **Count 42 Black**
3. **Count 44 Super White**
4. **Count 50 Blue White**
5. **Count 90 Super White**
6. **Count 90 Black**

For Your Enquiries
Please Contact:

Head Office:

104, Adamjee Dawood Road, Karachi.
Ph: 021-2422347 - 2424106

یہ جاننے کے لیے کہ
پچھلے نوّے سال سے زائد عرصے سے رُوح افزا
کروڑوں شائقین کا پسندیدہ مشروب کیوں ہے،
آپ کو کسی تردّد کی ضرورت نہیں :

صرف

رُوح افزا

کا ایک گلاس نوشِ جاں کیجیے۔



ٹھنڈک اور فرحت لیے تازگی بھرا ذائقہ

ہمدرد

مدینۃ الحکمۃ تعلیم، سائنس اور ثقافت کا عالمی منصوبہ۔
آپ ہمدرد دوست ہیں۔ اعتماد کے ساتھ مصنوعات ہمدرد خریدتے ہیں۔ جائز منافع ... قوم کی
شہر علم وحکمت کی تعمیر میں لگ رہا ہے۔ اس کی تعمیر میں آپ بھی شریک ہیں۔

Adarts-HRA-8/97

اللہ کے فضل و کرم سے

ثناءاللہ نے جو چیز بنائی بہترین بنائی

ثناءاللہ

پاکستان میں اُونی اور ایکریلک مصنوعات کا
معیار قائم کرنے والے

ثناءاللہ وولن ملز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

ABC Cashmira BLANKETS



ABC KNITTING YARNS



Plush Mink BED COVERS AND BLANKETS



SANAULLA CARPET YARNS



SANAULLA WEAVING YARNS



تیسری منزل، پینوراما سینٹر، فاطمہ جناح روڈ، کراچی۔ پاکستان

Phones: 516034 & 516035. Fax: 92-21-5681775.
Telex: 21699 SANA PK.

SUN

گارمنٹس مینوفیکچررز متوجہ ہوں

ہم ❁ ہر قسم کے الاسٹک ❁ Woven لیبل اور ❁ لیس (Lace) تیار کرتے ہیں

برآمد کنندگان کے لئے معتبر نام

احمد لیس ورکس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

آپ کی سہولت کے پیش نظر اب لاہور کے قلب میں

ایک نئے عزم کے ساتھ

اس پتہ پر رجوع فرمائیں

13-A بلاک 'S' گلبرگ II لاہور

فون: 5762967 موبائل: 0342-339463

--------------*--------------

فیکٹری D/94 شیر شاہ روڈ سائٹ کراچی

فون 2561019-2561018-2577950-2577949
2561021-2561020

فیکس 92-21-2414705-92-21-2563487

حسین فاروق مودودی نے ملک عید محمد پرنٹرز سے چھپوا کر ۵۔اے ذیلدار پارک ' اچھرہ لاہور سے شائع کیا

ILM

Leading into a better tomorrow

ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفنگ
تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے

MBA Professional

MBA Executive

BBA

BCS

BTM

&

35 Diploma Courses

ہزاروں فارغ التحصیل اعلیٰ عہدوں پر فائز

پروجیکٹر اور آڈیو وڈیو سہولتوں سے آراستہ ائیر کنڈیشنڈ کلاس روم

جدید لائبریری - تازہ ترین کتب اور رسائل جرائد

۱۰۰ سے زائد کمپیوٹرز سے آراستہ لیبارٹری

ہمعصر اداروں میں سب سے بڑا شعبہ تحقیق و ترقی

بک بنک سے نصابی کتب کی فراہمی

طلبہ کے لیے غیر ملکی یونیورسٹیوں میں تعلیم کے مواقع

یورپ اور امریکہ کی بہترین یونیورسٹیوں سے الحاق

INSTITUTE OF LEADERSHIP AND MANAGEMENT

23- Ahmad Block New Garden Town, Near New Campus Bridge, Lahore, Pakistan.

Tel: 5835755, 5865606 Fax: 5868802 E-mail Address: Khalid@ilm.cs.brain.com.pk

C .P.L. 236

Monthly **TARJUMAN-UL-QURAN** LAHORE.

Phone : 7587916
7585590

شفا انٹرنیشنل ہسپتال اسلام آباد



ایک مکمل ہسپتال

شعبہ جات

- امراضِ قلب (کارڈیالوجی)
- کارڈیک سرجری
- امراض معدہ و جگر
- امراض کان ناک اور گلا
- امراض غدود
- امراض چشم (اطفال)
- امراض جلد
- انٹرنل میڈیسن
- امراض گردہ
- امراض پیشاب
- امراض دماغ
- کینسر
- امراض چشم
- پلاسٹک سرجری
- عمومی سرجری
- بے ہوشی
- امراض متعدی
- امراض پیٹ (اطفال)
- امراض نفسی
- امراض زبان و بیان
- امراض ہڈی
- امراض نسواں/زچہ و بچہ
- امراض اطفال
- امراض سینہ
- ورزش جسمانی

تشخیصی و معالجاتی سہولیات

- ایکسرسائز ٹالرینس ٹسٹ (ای ٹی ٹی)
- کارڈیک انجیوگرافی
- انجیو پلاسٹی
- ایکو کارڈیوگرافی
- ہولٹر مانیٹرنگ
- فلوروسکوپی
- لتھوٹرپسی
- ڈائیلسز
- لیپروسکوپک سرجری
- بچوں کی آنکھوں کی خرابی کا علاج
- ذیابیطس سے متاثر بینائی کا علاج
- انڈوسکوپی
- پلموزری فنکشن ٹسٹ
- الٹراساؤنڈ
- سی ٹی اسکین
- ایکسرے
- انٹراایکورلینس
- ریڈیشن اونکولوجی
- پلاسٹک سرجری
- ارتھروسکوپک سرجری
- قرنیہ کی تبدیلی
- ایگزیکٹو اور جنرل فزیکل

شفا انٹرنیشنل ہسپتال لمیٹڈ

سیکٹر H-8/4 اسلام آباد فون: 30-051-446801 فیکس: 051-446879